مقالہ برائے ایم۔اے وفاق المدارس جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد

اُمت مسلمہ کے فکری مسائل

اور

اُن کا حل

مقالہ نگار

حافظ اختر علی ارشد

جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور

جامعہ تعلیمات اسلامیہ، فیصل آباد

حسنِ ترتیب

فہرست موضوعات

فہرست موضوعات

فہرست موضوعات

انتساب

❁ ''اُس سہارے کے نام جسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ''

❁ ''محسنِ انسانیت ﷺ کے نام ''

❁ ''اپنے عظیم اور قابلِ قدر والدین کے نام جن کی محبتیں، شفقتیں، اور کاوشیں میری متاعِ حیات ہیں ''

﴿رب ارحمهما كما ربياني صغيراً﴾

اظہارِ تشکر

﴿لئن شكرتم لازيدنكم ولان كفرتم ان عذابى لشديد﴾

﴿رب اوزعنى ان اشكر نعمتك التى انعمت على﴾

شکر ایک ایسی نعمت ہے کہ اگر وہ صحیح معنوں میں ادا کی جائے تو الفاظ اس کا ساتھ نہیں دیتے۔حقیقت یہ ہے کہ الفاظ میں اتنی طاقت وسکت نہیں کہ وہ انسانی جذبات کی عکاسی کر سکیں۔مقالہ کی تصنیف وتالیف میں اظہارِ تشکر کی روایت ایک خوشگوار روایت ہے لیکن میں لفظی طور پر نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے حمد وثنا کرتا ہوں اس ذات کے لیے گام گام پر جس کا فضل واحسان میرے شاملِ حال رہا۔

اپنی کم علمی کے باوجود مجھے زیرِ نظر مقالہ لکھنے کا موقع ملا اس میں میرا کوئی کمال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے۔میں سجدہ شکر بجالاتا ہوں کہ اللہ پاک نے مجھے اس کٹھن مرحلے کو سرانجام دینے کی سعادت سے نوازا، میں شکرگزار ہوں اپنی جنت اور رب کی رضا کی جو میرے والدین ہیں جنہوں نے حصولِ علم کی راہوں میں میرے لیے محبتوں اور شفقتوں کے پھول نچھاور کیے اور میرے دل میں علم کی شمع اس طرح روشن کی کہ کارگاہِ حیات میں منزل ومقصود کے نشانات روشن ہو گئے اور زندگی کے نصب العین سے آگاہی ہوئی۔

میں ممنون ہوں 'جامعہ تعلیمات اسلامیہ' کا کہ جنہوں نے اس اہم موضوع پر لکھنے کا موقع عنایت فرما کر تجسس کے خوگر ذہن کو ایک مقصد کی تکمیل کا موقع دیا۔میں انتہائی ممنون ہوں اپنے اساتذہ کرام کا کہ جو میری مخلصانہ راہنمائی اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔

مزید برآں میں لائبریری ادارہ علومِ اسلامیہ، مین لائبریری جامعہ پنجاب، جناح لائبریری، منصورہ لائبریری، شیخ زاید اسلامک سنٹر لائبریری، محدث لائبریری کے عملے اور معاونین کا کہ جنہوں نے مختلف جہتوں سے دستِ تعاون بڑھایا۔

جزَاهُمُ الله احسن الجزاء واعطاهم الله
خيراً كثيراً في الدارين

حافظ اختر علی ارشد

پیش لفظ

کلی کو دیکھ کہ ہے تشنۂ نسیم سحر

اسی میں ہے مرے دل کا تمام افسانہ

مسلم قوم کے فکر کی تطہیر وتعمیر کے لیے اس قسم کے لٹریچر کی کس قدر ضرورت ہے اسی لیے میں نے ارادہ کیا کہ ایسا مقالہ مرتب کروں تاکہ مسلمانوں کا نقطہ نظر ان کے ماضی کی روشنی میں معلوم ہو سکے۔

تاریخ اسلام سے متعلق میری معلومات بہت زیادہ حد تک واضح نہ تھیں لیکن پھر بھی اسلامی تاریخ اور مذہبی لٹریچر کے پیہم مطالعہ کی وجہ سے اسلام کے نظریات سے خاصی واقفیت ہوگئی۔ ابن خلدونؒ کے مقدمے، جلال الدین السیوطیؒ کی تاریخ الخلفاء شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حجۃ اللہ البالغۃ، علامہ شبلیؒ کے رسائل وغیرہ نے مجھے اسلام کے ماضی سے ایک حد تک روشناس کر دیا تھا۔

لیکن اسلامی نظریات کی تشکیل وتخلیق میں ان سب مفکرین سے زیادہ جس چیز نے میرے دل و دماغ کو متاثر کیا وہ علامہ اقبالؒ کا پیام تھا۔ ان کی غیر مبہم واضح اور دل نشین تعلیمات نے جو نقوش میرے دل و دماغ پر پہلی مرتبہ مرتب کر دیے تھے وہ مٹ نہیں سکے، بہر حال ان محدود معلومات کی بنا پر میں نے ارادہ کیا کہ اس موضوع پر ایک مفصل مقالہ لکھوں۔ قلم اٹھانے سے قبل بھی میں اس کشمکش میں مبتلا ہوا کہ اگر واقعی اسلام کا مکمل نظام اس زمانے میں قابلِ عمل ہے تو گزشتہ ساڑھے چودہ سو برسوں میں اس پر عمل کیوں نہیں کیا گیا؟ آخر کیوں تیس برس کے بعد ہی اس میں انحطاط شروع ہو گیا؟ وہ کون سے اسباب واثرات تھے جنہوں نے اسلام کے اجتماعی نظام کو ملوکیت اور رہبانیت کی نذر کر دیا؟ ان سوالات کا حل پورے ماضی کا جائزہ لیے اور تاریخ پر تنقیدی نظر ڈالے بغیر ناممکن تھا جس کے لیے کافی وقت درکار تھا۔

ہفتوں تک عجیب تعطل کی کیفیت رہی مصیبت یہ تھی کہ یہ کام جس قدر مشکل تھا اسی قدر آسان اور دلچسپ تھا۔

دشوار تو یہی تھا کہ دشوار بھی نہ تھا

تحقیق کے ہر قدم پر نئی نئی شاہرائیں خود بخود کھلتی چلی گئیں، اس میدان کا ہر نقش راہ بذاتِ خود ایک میدان اور ہر گوشہ ہر قطرہ دریا میں دریا کی تھی گہرائی۔

میں نے اس مقالہ کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے جس کے نکات درج ذیل ہیں۔

❁ **پہلا باب:**

''امت مسلمہ کا تعارف'' پر مشتمل ہے اس کی دوسری فصل فکری آغاز وارتقاء پر مبنی ہے۔

❁ **دوسرا باب:**

''امت مسلمہ کے سیاسی مسائل'' پر مبنی ہے۔ پہلا مسئلہ خلافت کا تھا خلافت نے کس طرح شہنشاہیت کا لباس پہنا اور دوسری فصل مسلمانوں میں تفریق وآراء وفرقہ بندیوں پر ہے۔

❁ **تیسرا باب:**

''اسلام میں بیرونی اثرات کی آمد عجمی و یونانی علوم کی اشاعت'' کے نتائج پر مشتمل ہے علما، حکمائے عجمی کی غیر معمولی قدرومنزلت نے مسلمانوں کی ذہنیتوں پر مکمل قبضہ کرلیا۔

❁ **چوتھا باب:**

''تاریخ آغاز وارتقاء تصوف'' پر مبنی ہے۔ اسلام میں تصوف کا نفوذ کیونکر ہوا، تعلیماتِ تصوف کا ماخذ قرآن کریم ہے یا دوسرے علوم وافکار کی طرح یہ بھی بیرونی اثرات کا نتیجہ ہے؟

❁ **پانچواں باب:**

''دورِجدید کے چیلنجز'' پر مشتمل ہے۔ اس باب میں مسلمانوں کے ان مسائل کا ذکر کیا گیا ہے جو آج مغرب کی وجہ سے ان کو درپیش ہیں حالیہ دور میں مغرب عالمِ اسلام کے مابین پھوٹ ڈال کر ان کو تباہ وبرباد کرنا چاہتا ہے۔

❁ **چھٹا باب:**

''امت مسلمہ کے مسائل کا حل.......... تجاویز'' پر مشتمل ہے۔ اس باب میں حالات کا معروضی تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس جائزے میں یہ دیکھا گیا ہے کہ کس قوتِ محرکہ کے طفیل ہم عروج وکمال سے بہرہ ور ہوسکتے ہیں۔ اس مقالے میں باوجود کوششوں کے بہت سی خامیوں کا رہ جانا فطری امر ہے مزید یہ کہ اس مقالے میں خامیوں کو میری طالب علمانہ حیثیت کے تناظر میں رکھ کر دیکھا جائے اور اس کی خوبیاں اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا نتیجہ اور استادِمحترم کی مفید رہنمائی سمجھی جائیں۔

نظریات وقت وافکار عصر کے خلاف آواز بلند کرنا آسان کام نہیں آج جب کہ ماضی کی ستائش ہر مؤرخ کا نصب العین بن گیا ہے، رفتگان کی غلطیوں کا شمار کرنا عصر خویش سے جنگ کا اعلان ہے لیکن تکمیلِ فرائض کی منزل تک پہنچنے کے لیے زمانے کے غلط نظریات سے جنگ کرنا لازمی ہے اس منزل تک گزرہی اس راہ سے ممکن ہے۔

پیش لفظ

ؔ چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاق

اسلاف کی غلطیوں کی وجہ سے ان کی سرزنش وملامت کرنا بیکار ہے نہ اس مقالے کا یہ مقصد ہے بلکہ آئندگان کو ان نتائج واثرات سے آگاہ کرنا مقصود ہے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو آج ناگفتہ حالات سے گزرنا پڑ رہا ہے تاکہ مستقبل کی تعمیر میں ان غلطیوں سے احتراز کیا جائے۔

وما توفیقی الا باللہ

السعی منا والاتمام من اللہ

باب اوّل

اُمتِ مسلمہ کا مفہوم اور فکر کا آغاز وارتقاء

فصل اوّل

اُمتِ مسلمہ کا مفہوم

فصل دوم

فکری ارتقاء

فصل اوّل

امتِ مسلمہ کا مفہوم

امت کے لغوی معنی 'بیان اللسان' میں ایسی جماعت جس کی طرف پیغمبر آیا ہو اور گروہ کے بیان ہوئے ہیں۔[۱]

المنجد میں امت کے لغوی معنی ''جماعت'' لوگوں کے گروہ اور پیرو کے بیان ہوئے ہیں۔[۲]

القاموس العصری میں امت کے معنی مفہوم کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

Nation, People Generation Race۔[۳]

مولانا مودودیؒ مسئلہ قومیت میں امت کے معنی و مفہوم کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ''اس جماعت کو کہتے ہیں جس کو کسی امر جامع نے مجتمع کیا ہو۔ جن افراد کے درمیان کوئی اصل مشترک ہو ان کو اسی اصل کی بنیاد پر ''امت'' کہا جاتا ہے۔ مثلاً ایک زمانے کے لوگ بھی امت کہے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو جس اصول مشترک کی بناء پر امت کہا گیا ہے وہ نسل، وطن یا معاشی اغراض نہیں بلکہ ان کی زندگی کا مشن اور ان کی پارٹی کا اصول اور مسلک ہے۔''[۴]

قرآن مجید نے جو لفظ مسلمانوں کی جماعت کے لیے استعمال کیا ہے وہ ''حزب'' ہے جس کے معنی پارٹی کے ہیں۔

> ''مسلمانوں کے اجتماع کی نوعیت کا ظاہر کرنے کے لیے ''قوم'' کی بجائے جماعت، حزب اور پارٹی کے الفاظ ہی زیادہ مناسب ہیں۔''[۵]

جبکہ مسلم کے لغوی معنی و مفہوم قائد اللغات میں یہ بیان ہوئے ہیں۔

''مطیع، فرماں بردار، مسلمان، اسلام رکھنے والا۔''[۶]

---

۱. قاضی زین العابدین: بیان اللسان، ص ۶۴
۲. لوئیس مالوف: المنجد، ۸۴
۳. الیاس انطون: الیاس القاموس العصری، ص ۳۹
۴. سید ابوالاعلیٰ مودودی: مسئلہ قومیت، ص ۱۷۸
۵. ایضاً، ص ۱۷۸
۶. ابونعیم جالندھری: قائد اللغات، ص ۸۷۲

آنحضور ﷺ کے لائے ہوئے دین اور دیگر انبیاء کے دینوں پر غور کریں وہ دین جو قرآن کی شکل میں اور نبی آخر الزمان ﷺ کے ذریعے آیا وہی اس بات کا مستحق تھا کہ اس کا نام 'اسلام' ہو۔ کیونکہ اس کی اسلامیت دوسرے تمام دینوں کی اسلامیت سے کہیں بڑھی ہوئی ہے اور وہ ان کے مقابلے میں قطعی طور پر ایک بلند تر حیثیت کا مالک ہے۔ دوسرے ہر دین کا حال یہ ہے کہ اس کے احکام کا مجموعہ بھی ہے نسبتاً مختصراً اور محدود تھا۔ اس کے خطاب کا دائرہ بھی محدود تھا اور اس کے نفاذ کی مدت بھی محدود تھی، جبکہ اس دین کا مجموعہ احکام مفصل اور ہمہ گیر ہے، اس کا دائرہ خطاب بھی غیر محدود ہے اور اس کے نفاذ کی مدت کبھی ختم ہونے والی نہیں یعنی وہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

''اس طرح اور امتوں کو چھوڑ کر صرف پیروانِ محمد ﷺ ہی کو مسلم کا نام ولقب اس لیے ملا کہ وہ ان کی مسلمانہ حیثیت دوسرے کے مقابلے میں بہت بڑھی ہوئی تھی وہ ایک ایسے دین کے علمبردار تھے جو اپنی جامعیت میں اپنے مقاصد میں وسعت وبلندی میں کوئی نظیر نہیں رکھتا ان کے سر قیامت تک کے لیے یہ بھاری ذمہ داری ڈالی گئی تھی کہ ایک ایک قوم تک اللہ کا پیغام پہنچائیں گے۔ ساری دنیا کے سامنے اسلام کی شہادت دیں گے اور زمین کے چپہ چپہ پر دین حق کو قائم کر چکنے سے پہلے اپنی کمر نہ کھولیں گے جبکہ دوسری کسی امت کے اوپر ایسی بڑی ذمہ داری ہرگز نہیں ڈالی گئی تھی اس لیے حق یہی تھا کہ وہ خیر الامم کہے جائیں اور مسلم کا نام انہی کے لیے مخصوص کیا جائے۔''[7]

---

[7] صدرالدین اصلاحی: اسلام ایک نظر میں، ۱۹، ۲۶، تلخیص شدہ

فصل دوم

فکری ارتقاء

فکر کا مفہوم

انسان کائنات ارضی کی دوسری تمام مخلوقات سے محض اس لیے افضل ہے کہ اس کو دوسرے جانداروں کی مانند شرفِ فکر سے محروم نہیں رکھا گیا ماسوائے ابن آدم کے باقی تمام جاندار ایک خاص جبلت لے کر پیدا ہوتے ہیں اور پھر اسی کے زیر اثر ساری زندگی ایک خاص ڈگر پر گزار دیتے ہیں۔ آج سے صدیوں قبل ایک پرندہ جیسے گھونسلا بناتا تھا اس کی نسل آج بھی ویسے ہی مصروفِ کار ہے درندے وقت کے ساتھ طرزِ شکار تبدیل نہیں کرتے اور نہ ہی زمانہ مستقبل میں مشیتِ الٰہی کے بغیر ایسا ممکن ہے لیکن

> ''انسان ہر لحظہ بدلتی کیفیات کا نام ہے۔تغیر وتبدل اس کی فطرت میں شامل ہے یہی ذات ہے جو کبھی احسن تقویم کی بلندیوں کو چھوتی نظر آتی ہے تو کبھی اسفل السافلین کی پستیوں میں سسکتی دکھائی دیتی ہے۔ان دونوں منزلوں کے درمیانی فاصلے کا نام ''فکر'' ہے۔''[⑧]

امام راغب اصفہانیؒ کے بقول ''الفکرۃ'' اس قوت کو کہتے ہیں جو علم کو معلوم کی طرف لے جاتی ہے اور 'تفکر' کے معنی نظر و عقل کے مطابق اس قوت کو جولانی دینے کے ہیں۔غور وفکر کی استعداد صرف انسان کو دی گئی ہے دوسرے حیوانات اس سے محروم ہیں۔

بعض ادبا کا خیال ہے کہ لفظ فکر دراصل ''فرک'' سے مقلوب ہے۔لیکن فکر کا لفظ معانی کے متعلق استعمال ہوتا ہے جس کے معنی معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کے لیے اس کے بارے میں چھان بین کرنے کے ہیں۔''[⑨]

صاحب ''المنجد'' کے بقول ''تفکر فی الامر'' کا مفہوم کسی کام کے بارے میں سوچنا، غور اور تامل کرنا ہے۔

الفکرج افکار، تردد الخاطر بالتامل والتدبر یطلب المعانی[⑩]
یعنی الفکر سے مراد کسی معاملے میں غور وفکر ہے۔

---

⑧ ماہنامہ افکار معلم: حریت فکر کا مفہوم اور اہمیت، ص ۱۳

⑨ امام راغب اصفہانی: مفردات فی غریب القرآن، ص ۷۱۲، ۷۱۳

⑩ المنجد، ص ۵۹۱

اسلام غور وفکر کرنے کی دعوت دیتا ہے مگر عقل انسانی کو وحی الٰہی کے تابع رکھنے کی ہدایت بھی کرتا ہے اور اس قید اور پابندی کے نتیجے میں جو سوچ اور فکر تشکیل پاتے ہیں دین مبین کے نزدیک وہی کھری اور خالص سوچ ہے۔ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے سید مودودیؒ اپنے ایک مضمون میں رقمطراز ہیں کہ:

''کوئی انسانی جماعت خواہ کتنی ہی علوم وفنون کی روشنی سے بہرہ ور ہو اور خواہ عقلی ترقیات کے آسمان ہی پر کیوں نہ پہنچ جائے اگر وہ فرامین الٰہی کی تابع فرمان نہ ہو اور ایمان کی قوت نہ رکھتی ہو تو کبھی ہوائے نفس کے چنگل سے نہیں نکل سکتی۔ اس پر خواہشات نفسانی کا غلبہ اتنا شدید رہے گا کہ جس چیز پر اس کا نفس مائل ہوگا اس کی مضرتیں اگر آفتاب سے بھی زیادہ روشن کر کے دکھائی جائیں، اگر اس کے خلاف سائنس (یعنی پرستاران عقل کے معبود) کو بھی گواہ بنا کر لا کھڑا کیا جائے، اگر اس کے مقابلے میں اعداد وشمار کو بھی شہادت پیش کی جائے (جو اربابِ حکمت کی نگاہ میں ہرگز جھوٹی نہیں ہو سکتی)، اگر اس کی خرابیاں تجربہ ومشاہدہ سے بھی ثابت کر دی جائیں تب بھی وہ کبھی اپنے نفس کے معشوق کو نہ چھوڑے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں حاسۂ اخلاقی پیدا کرنا اور اس کے ضمیر کی تشکیل کرنا اور اس میں اتنی طاقت بھر دینا کہ وہ نفس پر غالب آ جائے، فلسفہ وسائنس کے بس کی بات ہے نہ عقل وخرد کی۔ یہ کام بجز ایمان کے اور کسی چیز کے ذریعے انجام نہیں پا سکتا ہے۔''[۱۱]

قرآن کریم نے مختلف انداز اور مختلف پیرایوں میں انسان کو غور وفکر کی دعوت دی ہے اور غور وفکر کا دائرہ وسیع قرار دیا ہے۔ خود انسان کا اپنی ذات اور اپنے نفس میں غور وفکر کرنا بھی وسعت میں شامل ہے پھر انسانیت کا اختلاف رنگ وزبان اور اس می خالق کائنات کی نشانیاں تلاش کرنا اہل فکر ودانش کا کام قرار دیا گیا۔ الغرض آفاق وانفس میں غور وفکر قرآنی تعلیمات کا ایک اہم اور بنیادی حصہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ویتفکرون في خلق السموت والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا﴾[۱۲]

---

۱۱ سید ابوالاعلیٰ مودودی: تنقیحات، ۳/ ۱۹۱

۱۲ حم السجدۃ: ۵۳

''یہ اہل فکر و دانش جو تخلیقات سماوی و ارضی میں غور وفکر کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار یہ (کارخانۂ ہستی) تو نے بیکار پیدا نہیں کیا۔''

مزید فرمایا۔

﴿سنریهم اتینا فی الافاق وفی انفسهم حتیٰ یتبین لهم انه الحق﴾[۱۳]

''ہم عنقریب آفاق اوران کے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے حتیٰ کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ حق یہ ہے۔''

اسی طرح مزید یہ فرمایا:

﴿الله الذی سخرلکم البحر لتجری الفلك فیه بامره ولتبتغوا من فضله ولعلکم تشکرون﴾[۱۴]

''اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر دیا ہے تا کہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور اس کا شکرادا کرو۔''

علامہ اقبالؒ فکر کی اہمیت بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

''قرآن مجید کے نزدیک کائنات کے اندر کوئی بڑا مقصد کام کر رہا ہے یہ فطرت ہی کے پیہم انقلابات ہیں جن کے پیش نظر ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ اپنے آپ کو نئے سانچوں میں ڈھال دیں پھر جوں جوں ہم اپنی ذہنی کاوشوں سے علائق فطرت پر غلبہ حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں ہماری زندگی میں وسعت اور تنوع پیدا ہوتا ہے اور ہماری بصیرت تیز تر ہو جاتی ہے یونہی ہم اس قابل ہوتے ہیں کہ محسوسات و مدرکات کے زیادہ نازک پہلو اپنی گرفت میں آئیں اور یونہی اشیاء کے مرر و زمانی پر غور وفکر کرتے کرتے ہم اپنے اندر یہ استعداد پیدا کر لیتے ہیں کہ لازمانی کا تعقل پیدا کرسکیں۔ (یعنی زمانی کی طرح لازمانی بھی بطورِ ایک حقیقت

---

۱۳ حم السجدۃ:۵۳

۱۴ الجاثیۃ:۲۱

ہماری سمجھ میں آ جائے)۔''[۱۵]

اسلام نے عقل و تدبر اور سوچ و فکر کے دروازے بند کرنے کی بجائے اس پر بڑا زور دیا ہے اور ہر دور میں اسلام اور فطرت انسانی کے مابین فکری مطابقت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کئے لیے آزادی فکر کا باقاعدہ ایک اصول طے کیا ہے۔ جسے شریعت کی اصطلاح میں ''اجتہاد'' کہتے ہیں اسلام میں اجتہاد کو آزادی کے ساتھ جاری رکھنے پر بہت زور دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں قرآن وسنت میں مسلمانوں کی پوری حوصلہ افزائی کی گئی ہے ایک حدیث میں آتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

«إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجران واذا حكم فاجتهد ثم اخطأ فله اجر»[۱۶]

''جب حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے اور اس کا فیصلہ درست ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں
اور جب وہ فیصلہ کرے اور وہ اجتہاد کرے پھر وہ غلطی کر جائے تو اس کے لیے بھی اجر ہے۔''

امام ابن حجرؒ مندرجہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"فالاول اجران ، اجرا لاجتهاد واجر الاصابه والاخر له اجراه اجتهاد فقط"[۱۷]

''یعنی پہلے شخص کے لیے دو اجر ہیں کوشش کا اور درستگی کا اور دوسرے شخص کے لیے صرف کوشش کا اجر ہے۔''

درج بالا حدیث نقل کرنے کے بعد مولانا وحید الدین خان لکھتے ہیں کہ

''اس سے معلوم ہوا گا کہ اجتہاد اسلام میں اتنا زیادہ مطلوب ہے کہ اس میں غلطی کرنے پر بھی ثواب دیا گیا ہے بشرطیکہ اجتہاد کرنے والے کی نیت درست ہو کیسی عجیب بات ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد لوگوں سے اس غلطی کا اندیشہ ہو تب بھی تم اجتہاد کا عمل جاری رکھنا۔''[۱۸]

---

[۱۵] علامہ محمد اقبال: تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۲۱

[۱۶] مسلم بن حجاج: الجامع الصحیح المسلم، کتاب الاقضیۃ، باب اجر الحاکم، الخ، ۱۳۱/۵

[۱۷] محمد بن حجر العسقلانی: فتح الباری، ۲۷۲/۱۳

[۱۸] وحید الدین خان: فکرِ اسلامی، ص ۳۴

وہ مزید لکھتے ہیں کہ

''ملت کے اوپر اگر ذہنی جمود کی حالت طاری نہ ہو بلکہ اس کے اندر آزادانہ فکر کی فضا موجود ہو تو اجتہاد و مطلق کا عمل بھی لازمی طور پر جاری رہے گا۔'' [19]

---

[19] فکرِ اسلامی، ص ۱۵

فصل دوم

فکر کا آغاز

عالمگیر ظلمت میں جب کہ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی کہیں نورِ حق کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی اور خدا کی مخلوق، خدائی تعلیمات کے ساتھ ساتھ انسانی اخلاق و شرافت کو بھی فراموش کر چکی تھی رب العرش نے کائنات ارضی کے قلب میں (مکہ معظّمہ) میں عالم انسانی کے سب سے بڑے محسن حضرت محمد ﷺ کو قرآن دے کر مبعوث فرمایا۔ قرآن اور اسلام کی تعلیمات نے مسلمانوں میں فکری بیداری پیدا کی اور آپ ﷺ نے نہایت قلیل عرصے میں انسانی فکر و عمل میں حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا۔

محمد لطفی جمعہ قرآن کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اس کتاب میں اکثر جگہ ایسی مخصوص پائی جاتی ہیں جن میں مسلمانوں کو تحصیلِ علم کے ساتھ ساتھ زمین و آسمان کی تخلیق کو ایک اور احرام علویہ کے نظامات دن رات کے اختلافات، ہواؤں کے تغیرات، سمندر کے عجائبات نیز انسانوں کی تخلیق اور عقل و ادراک کے اعتبار سے اس کے امتیازی تمام کائنات پر اس کے تفوق، جمادات، نباتات، حیوانات کے اس کی خدمت کے لیے مسخر ہونے پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے اس جامع کتاب کی جن قوموں نے اتباع کی ان کے دماغی قویٰ میں وسعت پیدا ہو جانا لازمی امر تھا۔'' [٢٠]

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں درج ہے کہ

> ''اس اصطلاح کا اطلاق اس اسلامی فکر پر ہوتا ہے جس نے شروع میں یونانی اثرات کے تحت نشو و نما پائی اسلامی فلسفہ کا باقاعدہ آغاز عباسی دور میں ہوا۔'' [٢١]

فکری ارتقاء

اللہ تعالیٰ نے کائنات انسان کے لیے بنائی ہے نہ کہ انسان کائنات کے لیے پیدا کیا ہے قبل از اسلام دنیا خصوصاً

---

[٢٠] محمد لطفی جمعہ: تاریخ فلاسفہ، مقدمہ، ۴۹۶/۱۵

[٢١] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۴۹۶/۱۵

عربوں کی یہ حالت تھی کہ ایک ہی وقت میں کئی کئی خداؤں کو پوجتے تھے، ہر وہ چیز جو انہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتی تھی معبود کا درجہ رکھتی تھی ایسے ہی تاریک دور میں نبی کریم ﷺ روشنی کے مینار کی صورت میں جلوہ فرما ہوئے۔

عقیدہ توحید

نبی کریم ﷺ نے ناقص تصورِ توحید کی تردید کر کے مکمل تصور توحید کا تصور پیش کیا یعنی نبی کریم ﷺ نے لا الہ کی تلوار سے تمام معبودانِ باطلہ کو تہہ تیغ کرنے کے بعد الا اللہ اور رب العالمین کا نعرہ لگایا اسلام سے پہلے مختلف قوموں اور ملتوں میں خدا کا تصور موجود تھا لیکن غلط اور نامکمل تھا اسلام نے الوہیت کا ایک مکمل اور صحیح تصور پیش کیا۔

سورہ اخلاص اس عقیدہ کی مکمل اور خوبصورت تصویر پیش کرتی ہے۔

﴿قل هوالله احد*الله الصمد*لم يلد ولم يولد*ولم يكن له كفوا احد﴾[۴۲]

''کہو اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا کوئی اس کا ہمسر نہیں۔''

توحید خالص کے ساتھ ایک امر ضروری ہے کہ ذاتِ خداوندی کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کیا جائے۔

﴿ان الشرك لظلم عظيم﴾[۴۳]

''بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''

ارشاد خداوندی ہے:

﴿ولقد بعثنا فی کل امة رسولًا ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت﴾[۴۴]

''اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور شیطان سے بچیں۔''

توحید کے ثبوت اور شرک کے ابطال کی ایک دلیل نظام عالم کی وحدت ہے کائنات کا ایک ایک ذرہ مقررہ نظام اور اصول کے تحت چل رہا ہے سب میں یکسانیت و وحدت قائم ہے سب ایک ہی ہستی کے اشاروں پر چل رہے ہیں۔

---

۴۲ اخلاص:۱تا۴

۴۳ لقمان:۱۳

۴۴ سورہ النحل:۳۶

عقیدہ توحید کے اثرات

اسلام کے عقیدہ توحید کو غیر مسلم بھی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں مولانا محمد حنیف یزدانی اپنی کتاب میں ایک غیر مسلم کا اظہار خیال لکھتے ہیں۔

پروفیسر اڈوائر مونتے

''محمد ﷺ کا مذہب ایسے اصولوں کا مجموعہ ہے جو معقولیت کے امور مسلمہ پر مبنی ہے اور یہ وہ کتاب ہے جس میں مسئلہ توحید ایسی پاکیزگی اور جلال و جبروت اور کمال تیقن کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کے سوا اور کسی مذہب میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔''[۲۵]

خورشید احمد لکھتے ہیں

''توحید مجرد ایک علمی حقیقت ہی نہیں بلکہ ایک نہایت اہم عملی حقیقت بھی ہے انسانی زندگی خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی توحید کے تصور سے یکسر بدل جاتی ہے۔''[۲۶]

توحید کے اثرات کی بے شمار مثالیں ہمیں ملتی ہیں۔

مولانا مودودیؒ سیرت سرور عالم میں بیان کرتے ہیں:

''حضرت زبیر بن عوامؓ کو ان کے چچا چٹائی میں لپیٹ کر لٹکا دیتا تھا اور نیچے سے دھونی دیتا اور کہتا جاتا کہ اسلام سے رجوع کرو مگر وہ برابر یہی جواب دیے جاتے کہ میں کبھی کفر نہ کروں گا۔''[۲۷]

اس طرح کی بے شمار مثالیں ہمیں ملتی ہیں یہ سارا توحید ہی کا اثر تھا کہ اتنی بڑی مشکلات برداشت کرنے کے بعد وہ اپنے دین پر پابند رہے۔

---

[۲۵] چندر پال: محمد رسول اللہ (ﷺ) غیروں کی نظر میں، ص ۲۵۷

[۲۶] خورشید احمد: اسلامی نظریہ حیات، ص ۲۱۱

[۲۷] سید ابوالاعلیٰ مودودی: سیرت سرورِ عالم، ۵۴۳/۲

عقیدۂ رسالت

ختم المرسلین کی بعثت سے قبل جتنے بھی انبیا مبعوث ہوئے ان کی نبوت وقتی اور کسی خاص قطعہ ارضی یا کسی خاص قوم کے لیے تھی اس بناء پر آپ ﷺ سے پہلے کوئی عالمگیر اور جامع نظریہ زندگی موجود نہ تھا۔

دنیا میں انسان کی ہدایت وراہنمائی کے لیے ہمیشہ ایسے نفوس پیدا ہوتے رہے جنھوں نے اپنی زبان اور عمل سے ان کو حق وصداقت کا راستہ دکھایا۔ انسان اکثر ان کے اچھے سلوک کا بدلہ ظلم ہی کی شکل میں دیتا رہا ان کی صداقت سے انکار کیا، ان کی دعوت کو رد کیا ان کو راہ حق سے پھیرنے کی کوشش کی۔ ان کے بعد ان کی تعلیمات کو مسخ کیا ان کی لائی ہوئی کتابوں میں تحریف کی خود ان کی شخصیتوں کو الوہیت اور خدا کا رنگ دیا۔

آنحضور ﷺ کی بعثت سے درحقیقت عالمِ انسانی کو ایک عالمگیر وحدت میں تبدیل کرنے کی مہم کا آغاز ہوتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿وان من امة الا خلا فيها نذير﴾[۲۸]

''کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔''

نبی آخر الزمان ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا۔

﴿هذا نذير من النذر الاولى﴾[۲۹]

''یہ ایک ڈرانے والا ہے اگلے ڈرانے والوں میں سے۔''

نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کو بہترین نمونہ عمل قرار دیا گیا۔

﴿لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة﴾[۳۰]

آپ کی شریعت نے گزشتہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

---

۲۸ الفاطر: ۲۴

۲۹ النجم: ۵۶

۳۰ الاحزاب: ۵۶

﴿ما كان محمدٌ ابآ احدٍمّن رجالكم ولكن رسول الله و خاتم النبيّن﴾[۳۱]

''محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں میں آخری نبی ہیں۔

حضرت محمد ﷺ نہ صرف یہ کہ خدا کے سچے نبی ہیں بلکہ آپ کا اس کے آخری نبی بھی ہیں آپ کے ہاتھوں دین کی تکمیل ہوئی۔ ارشادِ ربّانی ہے۔

﴿اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلامَ ديناًط﴾[۳۲]

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کے طریقے کو پسند کیا۔''

عقیدۂ رسالت کے اثرات

آنحضرت ﷺ نے عقیدہ رسالت کا جو صحیح اور واضح تصور دیا اس کے بہت دوررس نتائج سامنے آئے انہوں نے انسانی زندگی کو یکسر بدل دیا اس ان پڑھ صحرانشین انسان نے حکمت و دانائی کی ایسی باتیں کہنا شروع کیں کہ نہ اس سے پہلے کسی انسان نے کہی تھیں نہ اس کے بعد آج تک کوئی کہہ سکا انسان کی قانون سازی ہمیشہ بدلتی رہتی ہے لیکن آپ ﷺ نے جو قانون بنایا وہ آج تک محفوظ ہے یہ قانون بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ہمیشہ انسان کا ساتھ دیتا ہے۔

پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

''دنیا کے قانون ہزاروں مرتبہ بنے اور بگڑے ہر آزمائش میں ناکام ہوئے اور ہر بار ان میں ترمیم کرنی پڑی مگر اس صحرانشین امی نے تن تنہاء بغیر کسی دوسرے انسان کی مدد کے جو قانون دیے ان کو کوئی ایک دفعہ بھی ایسی نہیں جو اپنی جگہ سے ہٹائی جاسکتی ہو۔''[۳۳]

---

۳۱ ایضاً:۴۰
۳۲ المائدۃ:۵:۳
۳۳ اسلامی نظریہ حیات، ص ۲۴۱

مزید لکھتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نے ساری دنیا کے خیالات، عادات اور قوانین میں انقلاب برپا کر دیا حیرت یہ ہے کہ جنہوں نے اس کی پیروی سے انکار کیا جو اس کے مخالف ہیں اس کے دشمن ہیں وہ بھی اس کے اثرات سے نہ بچ سکے نبی کریم ﷺ نے اخلاق کی ایسی زبردست تعلیم دی کہ اس کے بنائے ہوئے اصول تمام دنیا کے اخلاقی اصولوں میں پھیل گئے اور پھیلتے جا رہے ہیں اس نے سیاست اور تہذیب، معاشرت کے جو قانون بنائے وہ ایسے سچے اور پکے اصول ہیں کہ مخالفوں نے بھی چپکے چپکے اس کی خوشہ چینی شروع کر دی اور آج تک کیے جا رہے ہیں۔'' (۳۴)

اس بات کو غیر مسلموں نے بھی تسلیم کیا محمد حنیف یزدانی نے میجر آرتھر کلائن کا یہ قول نقل کیا ہے۔

''اگر کسی شخص نے کبھی خدا کو پایا ہے اور اگر اس نے نیک' اچھے اور عظیم مقصد کے لیے خدا کی اطاعت میں اپنی زندگی بسر کی ہے تو یقین جانیے کہ وہ شخص صرف محمد عربی (ﷺ) ہی ہوسکتا ہے۔'' (۳۵)

عقیدہ آخرت

اگر ہم دیگر مذاہب پر عقیدہ آخرت کے سلسلے میں نظر ڈالیں تو کچھ مذاہب میں سرے سے اس کا تصور ہی نہیں اگر کسی میں ہے تو وہ نہایت غیر واضح اور مبہم ہے گویا کوئی مذہب صحیح مفہوم متعین نہیں کر سکا۔

بدھ مت میں نروان اور ہندو مت میں مکتی کا تصور تھا جو عقیدہ آخرت کو ظاہر کرتا ہے یہود و نصاریٰ کے ہاں حیات بعد الموت کا ذکر ملتا ہے مگر یہود کے نزدیک تمام نعمتیں ان کے لیے مخصوص ہیں اور نصاریٰ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سولی پر چڑھ کر تمام گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا لہذا مرنے سے پہلے کسی پادری کے سامنے گناہوں کا اعتراف نجات کا ذریعہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے عقیدہ آخرت کو اس طرح کھول کر بیان کیا کہ اس کی تمام توجیہیں سامنے آ گئیں۔ صرف آخرت کا یقین ہی دنیا میں انسان کے رویے کو درست کر سکتا ہے اس مضمون کو اللہ عزوجل نے مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے اور ارشاد

(۳۴) اسلامی نظریہ حیات، ص ۲۴۱
(۳۵) محمد رسول اللہ (ﷺ) غیروں کی نظر میں، ص ۲۶۸

ربانی ہے۔

﴿ایحسب الانسان ان یترك سدی﴾ ⑯

کفار اکثر ایسے سوالات کرتے تھے کہ جو لوگ ہزاروں سال پہلے مر چکے ہیں وہ کیسے زندہ ہونگے اللہ پاک نے ان کے اس سوال کا جواب انتہائی مدلل انداز میں دیا ہے۔

﴿ایحسب الانسان الّنْ نّجمع عظامهٗ*بلیٰ قٰدرین علیٓ ان نّسویّ بنانهٗ*بل یرید الانسان لیفجر امامهٗ﴾ ⑰

''کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے کیوں نہیں ہم تو ان کی انگلیوں تک کو ٹھیک بنا دیں گے مگر انسان چاہتا یہ ہے کہ آگے بھی بد اعمالیاں کرتا رہے۔''

یہ بات بھی صاف الفاظ میں واضح کر دی کہ اس دن ہر شخص کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہے کوئی سفارش کام نہیں آئے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ولا تزر وازرة وزر اُخریٰ﴾ ⑱

''اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

عقیدۂ آخرت کے اثرات

اس دنیاوی زندگی کے بعد ایک اخروی زندگی کا وجود میں آنا ممکن اغلب اور اقتضائے حکمت کے مطابق ہے۔ عقلِ سلیم ہمیں آخرت کے اساسی تصورات پر جو قرآن نے پیش کیے ہیں ایمان لانے سے نہیں روکتے بلکہ اس پر آمادہ کرتے ہیں انسان کی اخلاقی اور عملی زندگی سے اس کا گہرا تعلق ہے۔

---

⑯ القیامہ:۳۶

⑰ ایضاً ۳،۴،۵

⑱ الفاطر:۱۸
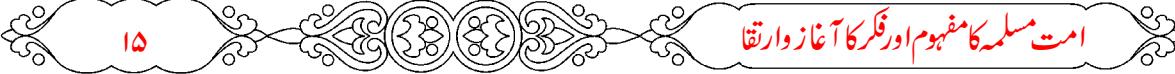
صدرالدین اصلاحی لکھتے ہیں:

''حشر کے بعد ہماری زندگی کا دوسرا دور شروع ہوگا اس دور کی ابتدا اس بات سے شروع ہوگی کہ ہم سب اللہ کی عدالت میں پیش کیے جائیں گے وہ ہم سے ہماری زندگی کے پہلے دور کا حساب لے گا۔ حساب کتاب اور فیصلے کے بعد ہماری زندگی کا دوسرا دور اپنی پوری کیفیت کے ساتھ عمل میں آئے گا اور یہ دور ایسا ہوگا جس کی کوئی انتہاء نہ ہوگی۔ یہ زندگی ہمیشہ کی زندگی ہوگی یہاں مدت کا نام باقی نہ رہ جائے گا۔''[۳۹]

سید امیر علی لکھتے ہیں:

''انسان کے دل میں یہ عقیدہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کی زندگی موجودہ خوشیوں اور غموں پر ہی ختم نہیں ہو سکتی بلکہ موت کے بعد ایک اور زندگی بھی ہوگی بلکہ ہے جس میں اس کو وہ خوشیاں اور غم نصیب ہوں گے جس کا وہ مستحق ہے۔''[۴۰]

اس لیے انسان جو بھی کام کرتا ہے وہ سوچ سمجھ کر کرتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن اسے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کا جواب دہ ہونا ہے۔

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رات بھر نماز پڑھتے رہتے تھے دن کو اکثر روزے رکھتے خصوصاً موسم گرما روزوں میں ہی بسر ہوتا، خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ نماز میں لکڑی کی طرح بے حس وحرکت نظر آتے۔ رقت اس قدر طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی، خوف محشر اور عبرت پذیری سے دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے لیے عبرت کا سامان تھا کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو فرماتے کاش میں درخت ہی ہوتا کہ عاقبت کے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا کسی باغ کی طرف سے گزرتے، چڑیوں کو چہچہاتے ہوئے دکھتے تو فرماتے پرندو! تمہیں مبارک ہو دنیا میں چرتے، چگتے ہو درخت کے سایہ میں بیٹھتے ہو قیامت کے روز تمہارا کوئی حساب نہیں کاش ابوبکر (رضی اللہ عنہ) بھی تمہاری

---

۳۹ اسلام ایک نظر میں: ۴۱،۴۰

۴۰ سید امیر علی: روحِ اسلام، ص ۳۱۳

طرح ہوتا۔'' [۴۱]

یہ اسلام کے فکری انقلاب کا نتیجہ ہی تھا کہ وہ لوگ جو بت پرستی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے خدا پرستی ان کی زندگی کا ہمیشہ کے لیے شیوہ بن گئی۔

---

(۴۱) شاہ معین الدین ندویؒ: خلفائے راشدین، ۱۴۳

باب دوم

اُمتِ مسلمہ کے سیاسی مسائل

فصل اوّل

انقطاعِ خلافت، آغازِ ملوکیت

فصل دوم

مسلمانوں میں مذہبی اختلافات کی ابتداء

فصل اوّل

انقطاعِ خلافت اور آغازِ ملوکیت

خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر
(اقبالؒ)

خلافت کا یہ ڈھانچہ جس کی بنیاد بنو امیہ نے رکھی تھی اور جو بنو امیہ اور بنو عباس سے منتقل ہو کر آلِ عثمانؒ میں آیا شہنشاہیت اور آمریت کا دوسرا نام تھا۔ اسلامی نظام نہ اس عہدِ خلافت میں رائج تھا نہ بعد کے عہد میں ، اس لیے ہمارے مؤرخین سقوطِ خلافت پر کتنا ہی ماتم کیوں نہ کریں حقیقت یہ ہے کہ اسلامی سیاست کی تاریخ میں یہ واقعہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

- اسلامی حکومت، نظامِ خلافت اور حکومتِ الٰہیہ سے کیا مراد ہے؟
- خلافت نے شہنشاہیت کا لباس کس طرح پہنا؟
- اسلام پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟

یہ وہ نازک سوالات ہیں جن کے صحیح جوابات حاصل کیے بغیر اسلامی ریاست کی تاریخ سمجھ میں نہیں آ سکتی۔

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
نے کوئی مفقود و خاقان نے فقیر رہ نشین
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
منعموں کو دولت کا بناتا ہے امین
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر وعمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمین
(اقبالؒ)

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں:

''اسلامی نظام نہ تو مغربی معنوں میں مذہبی حکومت ہے اور نہ جمہوری بلکہ یہ ایک ممتاز اور منفرد نظام ہے''۔①

مزید فرماتے ہیں:

''موجودہ تہذیب جس پر آج دنیا کا پورا فکری، اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور معاشی نظام چل رہا ہے، دراصل تین بنیادی اصولوں پر قائم ہے''۔

- سیکولرازم یعنی لادینیت یا دنیاویت
- نیشنل ازم یعنی قوم پرستی
- ڈیموکریسی یعنی حاکمیتِ جمہور

ان کے مقابلے میں اسلام کے تین صالح اصول یہ ہیں:

- لادینی کے مقابلے میں خدا کی بندگی واطاعت
- قوم پرستی کے مقابلے میں انسانیت
- جمہور کی حاکمیت کے مقابلے میں خدا کی حاکمیت اور جمہور کی خلافت''۔②

خلافت کا لغوی مفہوم

لفظ خلافت (خَـلَفَ يَخْلُفُ بروزن كَتَبَ يَكْتُبُ) کے باب سے مصدر کا صیغہ ہے۔ جیسے کتابت، حفاظت، وقایت وغیرہ اس کا مادہ ''خ، ل، ف'' ہے، جس کے معنی ہیں پچھلی جانب یا بعد میں آنے والی نسل۔

الخلف ضدّ قدام ③

خلف آگے اور سامنے کی ضد ہے، یعنی پیچھے یا پیٹھ کی جانب۔ قرآن کریم میں خلف اسی مفہوم میں بائیس (۲۲) مقامات پر آیا ہے مثلاً:

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾④

---

① مولانا گوہر رحمٰن: اسلامی ریاست، ص ۹۶
② مولانا محمد اسحٰق سندیلوی: اسلام کا سیاسی نظام، ص ۱۳
③ ابن منظور: لسان العرب، ۳۶۳/۱
④ البقرۃ: ۲۵۵

''وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔''

خلافت کی اصطلاحی تعریف

اسلامی ریاست کے ماہرین نے خلافت یعنی اسلامی حکومت کی فنی اور اصطلاحی تعریفیں کی ہیں، ان میں سے چند ایک درج ذیل یہ ہیں۔

امام ابوالحسن ماوردیؒ:

"الامامةُ موضوعةٌ لخلافة النبوة فی حراسة الدین و سیاسةُ الدنیا"⑤

''امامت (اسلامی حکومت) نبی ﷺ کی نبوت کی نیابت کے لیے، دین اسلام کی حفاظت کرنے اور دنیا کا نظم ونسق چلانے اور اس کی اصلاح کرنے کے لیے قائم کی جاتی ہے۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ:

"ھی الریاسة العامة فی التّعدّی لاقامة الدین"⑥

''خلافت وہ عمومی ریاست ہے جو اقامتِ دین کی جانب عملاً متوجہ رہتی ہو''۔

ان تعریفوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ صرف تعبیر کا فرق ہے، ان تعریفوں کا حاصل مراد یہ ہے کہ:

''خلاف وہ عمومی ریاست ہے جو رسول اللہ ﷺ کی نیابت میں اقامتِ دین کا کام کرتی ہو''۔⑦

عمومی سے مراد یہ ہے کہ جس ملک میں یہ خلافت قائم ہوتی ہو اس کے عام باشندوں پر اس کو اختیار حاصل ہو، گھر، قبیلے یا خاندان کی حکومت کو اصطلاحاً خلافت نہیں کہا جا سکتا بلکہ اس کے لیے ولایتِ عامہ شرط ہے۔

---

⑤ امام ابوالحسن الماورديؒ: الاحکام السلطانیہ، ص۹

⑥ شاہ ولی اللہؒ: ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ۱۳/۱

⑦ اسلامی ریاست: ص۱۰۳

خلافت کا اسلامی تصور

آیتِ استخلاف کا اجمالی تعارف

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾[۸]

''اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جو کہ نیک اعمال کرتے ہیں، ان سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں جانشین مقرر کرے گا جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو جانشین مقرر کیا تھا۔ اور ان کے دین کو اِس دنیا میں جگہ دے گا جو اُس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اور جو کوئی اس ہدایت کے آ جانے کے بعد کفر کرے گا تو وہ اللہ کے ہاں نافرماں لوگوں میں شمار ہوگا۔''

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور عملِ صالح کا حق ادا کرنے والے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو زمین میں ضرور خلافت عطا فرمائے گا، یہاں پر خلافت سے مراد مسلمانوں کی حکومت ہے۔[۹]

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کے لیے عربی زبان میں تاکید کا جو سب سے زیادہ مؤثر اور بلیغ اسلوب ممکن تھا اس کو تین بار استعمال کیا۔

❶ ﴿لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾

انہیں ضرور بالضرور خلافت عطا کرے گا۔

❷ ﴿وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ﴾

اور ان کے دین کو لازماً تمکن عطا کرے گا۔

---

⑧ سورہ النور: ۵۵

⑨ ڈاکٹر اسرار احمد: خطباتِ خلافت، ص ۱۷

③ ﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً﴾

ان کی خوف کی حالت کو جو اس وقت ان پر طاری ہے لازماً امن میں بدل دے گا۔

علامہ ابن خلدونؒ کی تشریح خلافت:

''ایک نظام تو دنیاوی اصولوں پر قائم ہوتا ہے اور دوسرے کی بنیاد شرعی اصولوں پر رکھی جاتی ہے۔ پہلی قسم کے نظام کی بنیاد ان قوانین پر رکھی جاتی ہے جو قوم کے اہل بصیرت اور اہل دماغ بناتے ہیں اور دوسرے نظام کی بنیاد ان قوانین پر رکھی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور رسول ﷺ کے ذریعے لوگوں تک پہنچائے''۔[10]

عبداللہ بن سبا کی فتنہ پروری:

عبداللہ بن سبا یمن کے شہر صنعاء کا رہنے والا ایک یہودی تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں اسلام لایا، وہ کہتا تھا:

''مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول پر ایمان رکھتے ہیں مگر محمد ﷺ کی رجعت کو تسلیم نہیں کرتے، حالانکہ قرآن پاک آپ ﷺ کے بارے میں کہتا ہے۔

﴿ان الذی فرض علیك القرآن لرآدك الیٰ معاد﴾

''محمد ﷺ لوٹ کر آنے کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ حق رکھتے ہیں پھر کہتا حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خاتم الاوصیا اور یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خلافت کا حق غصب کر رکھا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے اصل حق دار ہیں۔ ایسے حالات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، چنانچہ اس نے ہر طرف اپنے داعی بھیج دیے وہ ولاۃ و حکام کے معائب سے لبریز خطوط مختلف بلاد و امصار میں بھیجتے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکامِ وقت کے معائب کی بڑی تشہیر ہوئی''۔[11]

---

⑩ علامہ عبدالرحمٰن بن خلدونؒ: المقدمہ ابن خلدون، ص ۳۸۶

⑪ ابوزہرہ مصریؒ: اسلامی مذاہب، ص ۵۸، ۵۹

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تشویش:

تغیر کا آغاز ٹھیک اس مقام سے ہوا جہاں سے اس کے رونما ہونے کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ تھا۔ اپنی وفات کے قریب زمانے میں وہ سب سے زیادہ جس بات سے ڈرتے تھے وہ یہ تھی کہ کہیں ان کا جانشین اپنے قبیلے اور اپنے اقرباء کے معاملے میں اُس پالیسی کو نہ بدل دے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ان کے زمانے تک چلی آ رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پورے عہدِ حکومت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا بنی ہاشم میں سے کسی کو کوئی عہدہ نہ دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اپنے قبیلے اور خاندان کے کسی شخص کو سرے سے کسی منصب پر مامور نہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دس سال کے عہد میں بنی عدی کے صرف ایک شخص کو چھوٹے سے عہدے پر مقرر کیا اور اس سے بھی ان کو بہت جلدی سبکدوش کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں قبائلی عصبیتوں کو سر اٹھانے کا کوئی موقع نہ ملا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خوف تھا کہ یہ پالیسی اگر بدل دی گئی تو سخت فتنے کی موجب ہوگی۔ اس لیے انہوں نے اپنے تینوں متوقع جانشینوں حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو الگ الگ بلا کر ان کو وصیت کی تھی کہ:

''اگر میرے بعد تم خلیفہ بنو تو اپنے قبیلے کے لوگوں کو عوام کی گردنوں پر سوار نہ کر دینا''۔[۱۲]

عہدِ عثمانیؓ میں فتنہ سازی:

ان کے بعد جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے، ابن الاثیرؒ فرماتے ہیں:

''انہوں نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کیے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدفِ اعتراض بن کر رہ گئیں''۔[۱۳]

آپؓ کے عہدِ خلافت میں شدید اختلاف رونما ہوا، ان اختلافات کی بدولت ایسے فتنے معرضِ وجود میں آئے جو بحرِ ذخار کی طرح موجیں مارتے تھے۔

شر و فتن کا یہ ظہور و صدور مسلمانوں کے سیاسی افتراق کی جانب اولین قدم تھا، جس سے آگے چل کر سیاسی مذاہب کی داغ بیل پڑی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو مسلسل بڑی طویل مدت تک ایک ہی صوبے کی گورنری پر مامور رکھا۔

---

[۱۲] ابن جریر الطبریؒ: تاریخ طبری، ۳/۲۶۴

[۱۳] ابن الاثیرؒ: الکامل فی التاریخ، ص ۸۵، ۱۰۸، ۱۲۵، ملخص شدہ

''وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آرہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایلہ سے سرحدِ روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحرِ ابیض تک پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانۂ خلافت میں ان کو اسی صوبے پر برقرار رکھا''۔[۱۴] یہی چیز ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھگتنا پڑا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت:

خلافتِ راشدہ کے نظام میں جو خطرناک رخنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پیدا ہوا تھا وہ بھر جاتا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر سے اس کو سنبھال لیتے تو یہ صورت حال مزید خراب نہ ہوتی، لیکن تین چیزیں ایسی تھیں جنہوں نے اس رخنے کو نہ بھرنے دیا بلکہ اسے اور زیادہ بڑھا کر ملوکیت کی طرف امت کو دھکیلنے میں ایک مرحلہ اور طے کر دیا۔

- حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے میں ان لوگوں کی شرکت جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف شورش برپا کرنے کے لیے باہر سے آئے ہوئے تھے، ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے بالفعل جرمِ قتل کا ارتکاب کیا تھا۔
- بعض اکابر صحابہؓ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ رہنا یہ طرزِ عمل اگرچہ ان بزرگوں نے انتہائی نیک نیتی کے ساتھ محض فتنے سے بچنے کی خاطر اختیار فرمایا تھا لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ جس فتنے سے وہ بچنا چاہتے تھے اس سے بدر جہا زیادہ بڑے فتنے میں ان کا یہ فعل الٹا مددگار بن گیا۔
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ جسے لے کر دو طرف سے دو فریق اٹھ کھڑے ہوئے، ایک طرف حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ ان دونوں فریقوں کے مقام و مرتبہ اور جلالتِ قدر کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں۔[۱۵]

حضرت طلحہؓ و زبیرؓ با دل نخواستہ بیعت کر کے فوراً مکہ چلے گئے اور وہاں جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے پر آمادہ کیا جس کے نتیجہ جنگِ جمل (جمادی الاولی ۳۶ھ) کی شکل میں ظاہر ہوئی جس میں حضرت علیؓ کو فتح حاصل ہوئی، جنگِ جمل اگر پیش نہ آئی ہوتی تو پچھلی ساری خرابیوں کے باوجود ملوکیت کی آمد کو روکنا عین ممکن تھا۔

''حضرت عثمانؓ کی شہادت (۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ) کے بعد حضرت نعمان بن بشیرؓ ان کا خون سے بھرا ہوا قمیض اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیاں

---
[۱۴] ابن سعدؒ: طبقات محمد بن سعدؒ، ۷/۴۰۶
[۱۵] سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: خلافت و ملوکیت، ص ۱۲۹

حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق لے گئے اورانہوں نے یہ چیزیں منظر عام پر لٹکا دیں تا کہ اہل شام کے جذبات بھڑک اٹھیں‘‘۔ [۱۶]

یہ اس بات کی کھلی علامت تھی کہ حضرت معاویہؓ خونِ عثمانؓ کا بدلہ قانون کے راستے سے نہیں بلکہ غیر قانونی طریقہ سے لینا چاہتے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ شہادتِ عثمانؓ کی خبر ہی لوگوں میں غم وغصہ پیدا کرنے کے لیے کافی تھی، اس قمیض اور انگلیوں کا مظاہرہ کر کے عوام میں اشتعال پیدا کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ ذی الحجہ کے آغاز میں باقاعدہ جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت علیؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے پاس اتمامِ حجت کے لیے ایک وفد بھیجا مگر ان کا جواب یہ تھا کہ:

’’میرے پاس سے چلے جاؤ میرے اور تمہارے درمیان تلوار کے سوا کچھ نہیں ہے‘‘۔ [۱۷]

حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی کہ:

’’حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ کے اقتدار کو ختم نہ کر سکے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امیر معاویہؓ نے مصر پر بھی قبضہ کر لیا اب حضرت علیؓ کی خلافت صرف عراق وایران تک محدود ہو کر رہ گئی اس سے پہلے کہ وہ امیر معاویہؓ کے خلاف کوئی مؤثر قدم اٹھاتے ان کو ایک خارجی نے شہید کر دیا‘‘۔ [۱۸]

خلافتِ امیر معاویہؓ

کوفہ کے مسلمانوں نے حضرت حسنؓ کو خلیفہ منتخب کیا لیکن امیر معاویہؓ نے آپؓ کے انتخاب کو پسند نہ کیا اور عراق پر چڑھائی کر دی۔ عراقیوں کی بے وفائی کی وجہ سے آپؓ نے امیر معاویہؓ کے خلاف جنگ کو جاری رکھنا مناسب نہ سمجھا اور ان سے صلح کر کے خود خلافت سے دستبردار ہو گئے، اس طرح ۴۱ھ میں امیر معاویہؓ تمام اسلامی ممالک کے حکمران تسلیم کر لیے گئے۔

حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں اختیارات کا آنا خلافت سے ملوکیت کی طرف اسلامی ریاست کے انتقال کا عبوری مرحلہ تھا۔ بصیرت رکھنے والے لوگ اس مرحلے پر یہ سمجھ گئے تھے کہ اب ہمیں بادشاہی سے سابقہ درپیش ہے، چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

[۱۶] البدایہ والنھایہ، ۲۲۷/۷

[۱۷] ابن اثیرؒ: الکامل فی التاریخ ۱۴۶/۳

[۱۸] اکبر شاہ نجیب آبادی: تاریخ اسلام، ۵۶۲/۱

جب حضرت معاویہؓ کی بیعت ہو جانے کے بعد ان سے ملے تو السلام علیك ایھا الملك کہہ کر خطاب کیا۔ حضرت معاویہؓ نے کہا:

"اگر آپ امیر المؤمنین کہتے تو کیا حرج تھا؟ انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم جس طرح آپ کو یہ حکومت ملی ہے اس طریقے سے اگر یہ مجھے مل رہی ہوتی تو میں اس کا لینا ہرگز پسند نہ کرتا"۔ [۱۹]

حضرت امیر معاویہؓ خود بھی اس حقیقت کو سمجھتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے خود کہا تھا کہ انــا اول الملوك میں مسلمانوں میں پہلا بادشاہ ہوں"۔ [۲۰]

حافظ ابن کثیرؒ کے بقول، سنت بھی یہی ہے کہ ان کو خلیفہ کی بجائے بادشاہ کہا جائے کیونکہ نبی پاک ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ:

"میرے بعد خلافت تیس (۳۰) سال رہے گی، پھر بادشاہت ہوگی اور یہ مدت ربیع الاول اکتالیس (۴۱) ہجری میں ختم ہوگئی جب حضرت حسنؓ حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے"۔ [۲۱]

یزید کی ولی عہدی:

ایک افسوس ناک واقعہ یزیدؒ کی جانشینی کا ہے، جس نے اسلام کے نظامِ خلافت کو گھن کی طرح کھا لیا اور آگے چل کر اسلامی حکومت کے زوال کا باعث بنا۔ امیر معاویہؓ نے یزیدؒ کی بیعت کے لیے حالات کو سازگار بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جن سے مخالفت کا کھٹکا تھا انہیں مقربِ بارگاہ بنا لیا، بڑے بڑے عہدے دیے، ان سے رواداری برتی اس حکمت عملی کا اثر یہ ہوا کہ اکثریت ان کی ہم نوا ہوگئی اور لوگ یزید کی بیعت پر آمادہ ہوگئے مگر

"حضرت احنف بن قیسؓ خاموش رہے، حضرت معاویہؓ نے کہا ابو بحرؓ تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم سچ کہیں تو آپ کا ڈر ہے، جھوٹ بولیں تو خدا کا ڈر۔ امیر المومنین آپؓ

[۱۹] ابن اثیرؒ: الکامل فی التاریخ، ۳/۴۰۵
[۲۰] حافظ ابوعمر بن عبدالبرؒ: الاستیعاب، ۱/۲۵۴
[۲۱] البدایہ والنھایہ، ۸/۱۶

یزیدؒ کے شب وروز، جلوت وخلوت، آمد ورفت اور ہر چیز کو خوب جانتے ہیں، اگر آپؓ اس کو اللہ اور اس امت کے لیے واقعی پسندیدہ جانتے ہیں تو اس کے بارے میں کسی سے مشورہ نہ لیجئے اور اگر آپؓ کے علم میں وہ اس سے مختلف ہے تو آخرت کو جاتے ہوئے دنیا اس کے حوالے کر کے نہ جائیں۔ رہے ہم، تو ہمارا کام تو بس یہ ہے کہ جو حکم ملے اس پر سمعنا و أطعنا کہہ دیں''۔ (۴۲)

شام وعراق کے باشندوں نے بیعت کر لی تو امیر معاویہؓ یزیدؒ کی بیعت لینے مدینہ تشریف لے گئے وہاں حضرت حسینؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے مخالفت کی۔ ابن زبیرؓ نے ان سے کہا ہم تین باتوں کا اختیار دیتے ہیں، ان میں سے کسی کو اختیار کرلو ① رسول پاک ﷺ نے جیسا کیا ویسا کرو ② ابوبکرؓ نے جیسا کیا ویسا کرو ③ عمرؓ نے جیسا کیا ویسا کرو۔ معاویہؓ نے دریافت کیا کہ اس کے سوا کوئی اور شکل نہیں ہے؟ ابن زبیرؓ نے جواب دیا نہیں! یہ سن کر امیر معاویہؓ نے جوشِ غضب میں کہا:

''اب میرے صبر وضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا، خدا کی قسم! اگر ایک لفظ بھی کسی کی زبان سے مخالفت کا نکلا تو لفظ ادا ہونے سے قبل اس کی گردن اڑا دی جائے گی''۔ (۴۳)

پھر ان حضرات کو لے کر مسجد نبویؐ میں گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر اعلان کیا:

''یہ لوگ مسلمانوں کے سردار اور ممتاز افراد ہیں، مسلمانوں میں یہ پختہ کار اور دانشمند خیال کیے جاتے ہیں اور ان کے مشورہ کے بغیر کوئی اہم کام نہیں کیا جاتا، ان حضرات نے یزیدؒ کی بیعت کر لی ہے تم بھی خدا کا نام لے کر بیعت کرلو یہ سن کر لوگوں نے بیعت کر لی لوگ انہی کی بیعت کے منتظر تھے۔ بعد میں لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ تو کہتے تھے کہ ہم یزیدؒ کی بیعت نہیں کریں گے پھر کیوں کر لی؟ جواب دیا بخدا ہم

---

(۴۲) ایضاً، ۳/۲۵۱، ۲۵۰

(۴۳) ابن جریر الطبریؒ: تاریخ طبری، ۳/۲۵۱
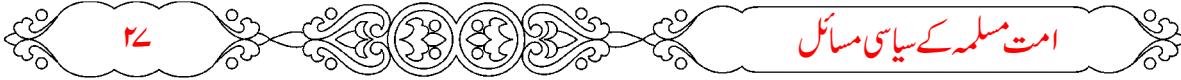
نے بیعت نہیں کی لوگوں نے پوچھا پھر آپ نے اس وقت تردید نہیں کی جواب دیا جان کا خطرہ تھا"۔ [۴۴]

اس طرح خلافتِ راشدہ کے نظام کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہو گیا خلافت کی جگہ شاہی خانوادوں نے لے لی اور مسلمانوں کو اس کے بعد سے آج تک اپنی مرضی کی خلافت نصیب نہ ہو سکی۔ حضرت معاویہؓ کے مناقب اپنی جگہ پر ہیں ان کا شرفِ صحابیت بھی واجب الاحترام ہے ان کی یہ خدمت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور دنیا میں اسلام کے غلبے کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا۔ ان پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے وہ بلاشبہ زیادتی کرتا ہے لیکن ان کے غلط کام کو غلط تو کہنا ہی ہوگا اسے صحیح کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔

---

(۴۴) ایضاً، ۳/ ۲۱۷، ۲۱۸

مسلمانوں میں مذہبی اختلافات کی ابتداء

ابن مریم مر گیا یا زندہ جاوید ہے؟
ہیں صفات ذات حق حق سے جدا یا عین ذات ؟
آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے
یا مجدد جس میں ہوں فرزند مریم کے صفات ؟
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم؟
امت مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات ؟
کیا مسلماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الہیات کے ترشے ہوئے لات و منات ؟

(اقبالؒ)

فصل دوم

مسلمانوں میں مذہبی اختلافات کی ابتداء

اس حقیقت سے آگاہ ہونا ضروری ہے کہ سیاسی اختلافات یا بالفاظ دیگر سیاسی فرقوں کا آغاز اگرچہ سیاسی امور سے ہوا مگر اسلامی سیاست دین سے کوئی الگ چیز نہیں بلکہ دین ہی اس کا مغز و قوام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی مذاہب کے اصول و مبادی کا مرکز و محور ہمیشہ دینِ اسلام ہی رہا۔

خلافت کا مسئلہ وہ پہلا مسئلہ تھا جس کی بنیاد پر مسلمانوں میں اختلافات نے شدت اختیار کر لی تھی مسلمانوں کی آراء اس مسئلہ میں باہم مختلف ہوتی چلی گئیں اور ان اختلافات کی بنیاد پر عصرِ اول میں اسلام کے اہم ترین فرقوں نے جنم لیا۔

اس ضمن میں ہم سیاسی فرقوں کا ذکر کر کے ان کے مختلف مناہج و مسالک کا ذکر کریں گے:

❶ سیاسی فرقے

① شیعہ:

شیعہ کی اجمالی تعریف

فرقہ شیعہ کا ظہور حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت کے آخری دور میں ہوا اور حضرت علیؓ جب لوگوں سے ملتے تو وہ آپؓ کی خداداد صلاحیتوں اور قوتِ دین و عمل سے متاثر ہوتے، شیعہ مذہب کے داعیوں نے اس سے فائدہ اٹھانا چاہا اور لوگوں میں آپؓ کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کیے، ان کی بعض باتیں مبالغہ آمیز ہوتیں اور بعض مبنی بر اعتدال۔

وصی کا عقیدہ:

> ''عبداللہ بن سبا کہا کرتا تھا میں نے تورات میں دیکھا کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے
> حضرت علیؓ محمد ﷺ کے وصی تھے جس طرح نبی کریم ﷺ افضل الانبیاء تھے اسی طرح
> حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل الاوصیاء تھے۔''[۲۵]

---

[۲۵] اسلامی مذاہب، ص ۷۱

عبداللہ بن سباء نے اپنے مخصوص ترین شاگردوں کی ایک جماعت چھانٹی اور بالکل تنہائی میں عہد و پیان اور قسم لینے کے بعد ایک بھید پہلے سے بھی زیادہ باریک و نازک سامنے لایا۔

> ''جناب مرتضیٰؓ سے چند چیزیں صادر ہوتی ہیں جو انسانی طاقت سے بالاتر ہیں۔ مثلاً کرامتیں، ذاتوں کا بدل دینا، غیب کی خبریں سنانا، مردوں کا زندہ کرنا۔ دنیا و دنیا والوں نے اس جیسی قوت نہ دیکھی نہ سنی۔''[۲۶]

شیعہ میں اختلاف مدارج:

سب شیعہ ایک ہی قسم کے نہ تھے بعض غالی تھے جو حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کی تعریف میں مبالغہ آمیزی سے کام لیتے بعض اعتدال پسند تھے جو تفضیل علیؓ کے باوصف کسی صحابی کو کافر نہ کہتے، نہ حضرت علیؓ کو تقدس کا وہ درجہ دیتے جس سے آپ کا فوق البشر ہونا لازم آئے۔

شیعہ کے چند نمایاں فرقے درج ذیل ہیں:

① سبئیہ ② غرابیہ ③ کیسانیہ ④ زیدیہ
⑤ امامیہ اثناعشریہ ⑥ اسماعیلیہ ⑦ حاکمیہ ⑧ نصیریہ

② خوارج

خارجی تحریک کا پس منظر:

شیعہ اور خوارج دونوں فرقے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں منصۂ شہود پر آئے، یہ دونوں حضرت علیؓ کے اعوان و انصار میں شامل تھے۔ حضرت علیؓ کے لشکر میں خوارج کا ظہور اس وقت ہوا جب صفین کے مقام پر ان میں اور حضرت معاویہؓ میں گھمسان کا رن پڑا۔ جب معاویہؓ لڑائی سے تنگ آ گئے اور بھاگ جانا چاہا تو تحکیم کے نظریہ نے آپؓ کی گلوخلاصی کرائی جب آپؓ کے لشکر کے چند آدمیوں نے آپ کو تحکیم کے تسلیم کرنے پر مجبور کر لیا تو چار و نا چار آپؓ نے اسے تسلیم کیا اس وقت یہ لوگ حضرت علیؓ کے حامیوں میں سے تھے مگر تحکیم پر اچانک بگڑ گئے اور انہوں نے کہا کہ خدا کی بجائے انسانوں کو فیصلہ کرنے والا مان کر آپؓ کافر ہو گئے اس کے بعد یہ اپنے نظریات میں دور سے دور نکلتے چلے گئے ''الحکم الا للہ'' کے نعرہ کو اپنا شعار بنا لیا اور حضرت علیؓ

[۲۶] شاہ عبدالعزیز دہلویؒ: تحفہ اثناعشریہ، ص ۵

کے خلاف لڑائی کا آغاز کیا۔

خوارج کے عقائد وافکار:

- حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی خلافت کو درست مانتے تھے مگر حضرت عثمانؓ ان کے نزدیک اپنی خلافت کے آخر زمانہ عدل اور حق سے منحرف ہو گئے اور قتل یا عزل کے مستحق تھے۔ حضرت علیؓ نے جب بھی غیر اللہ کو حکم بنایا تو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔
- گناہ ان کے نزدیک کفر کا ہم معنی تھا اور ہر مرتکبِ کبیرہ کو وہ کافر قرار دیتے تھے۔
- خلافت کے بارے میں ان کی رائے یہ تھی کہ وہ صرف مسلمانوں کے آزادانہ انتخاب سے ہی منعقد ہو سکتی ہے۔
- وہ یہ بات جانتے تھے کہ خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری ہے وہ کہتے تھے کہ قریشی یا غیر قریشی جس صالح آدمی کو بھی مسلمان منتخب کریں وہ جائز خلیفہ ہوگا۔
- قانون اسلام کے بنیادی ماخذ میں سے وہ قرآن کو تو مانتے تھے مگر حدیث اور اجماع دونوں کے معاملے میں ان کا مسلک عام مسلمانوں سے مختلف تھا۔'' [۴۷]

خوارج میں بھی چند ذیلی فرقے پیدا ہوئے:

① ازادقہ ② نجدات ③ صفریہ ④ عجاردہ ⑤ اباضیہ ⑥ یزیدیہ ⑦ میمونیہ

❷ اعتقادی فرقے

① فلسفہ کا ظہور وشیوع

قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے متاعِ کردار
بحث میں آتا ہے جب فلسفہ ذات وصفات

(اقبالؒ)

مسلمان جب یونانیوں، رومیوں اور اہل ایران سے گھل مل گئے تو ان میں فلسفیانہ افکار نے رواج پانا شروع کر دیا، یہ اقوام فلسفہ کی بڑی قدر دان تھیں۔ فارس کی طرح عراق میں فلسفیانہ مدارس پائے جاتے تھے، بعض عربوں نے ان مدارس میں

---

۴۷ عبدالقاہر بغدادی: الفرق بین الفرق، ص۹۵

فلسفہ کی تعلیم حاصل کی، فلسفیانہ افکار کے رواج پانے سے عقائد کی بحث چھڑ گئی۔

مشہور اعتقادی مذاہب یہ تھے:

① جبریہ ② قدریہ ③ مرجئہ ④ اشاعرہ ⑤ معتزلہ

① جبریہ کے عقائد

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی قضاوقدر کے متعلق جبریہ کا نقطہ نظر یوں بیان کرتے ہیں

''انسان بالکل مجبور ہے اور اس کے ارادہ کو کوئی آزادی حاصل نہیں بلکہ قضاوقدر جس طرح چاہتی ہے اس پر نقش کرتی ہے اور اس کے مطابق اس میں تصرف کرتی ہے۔ انسان تو تند ھوا میں پڑیا دریا کی موجوں میں چھلکے کی طرح سے ہے اس کا نہ ارادہ ہے نہ اختیار، خدا ہی اس کے عمل کو اس کے ہاتھوں سے کرادیتا ہے''۔ [۲۸]

جبریہ کہتے ہیں کہ:

''کوئی چیز اللہ کے ارادے کے بغیر وجود میں نہیں آتی قطع نظر اس سے کہ وہ اشیاء کی ذوات ہوں یا ان کی صفات''۔ [۲۹]

ان کا اعتقاد یہ ہے کہ کائنات میں ہر ہر ذرے کی حرکت قضاوقدر کے تحت واقع ہوتی ہے، وجود اور ایجاد میں اللہ کے سوا کوئی چیز تاثیر نہیں رکھتی۔ خلق اور ابداع میں اللہ کے سوا کوئی شریک نہیں ہے، جو کچھ اللہ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

خبر نہیں کیا نام ہے اس کا خدا فریبی کہ خودفریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلمان بنا کے تقدیر کا بہانہ

② قدریہ کے عقائد

قدریہ اور بعض دوسرے فرقوں کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا، اس کو افعال پر قدرت بخشی اور نیکی اور بدی کا

۲۸ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ: اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص ۷۰

۲۹ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: مسئلہ جبر وقدر، ص ۵۷

اختیار اسی کو تفویض کر دیا، اب وہ خود اپنی قدرت کے مطابق اپنی مشیت کے موافق استعمال کے ساتھ اچھے اور برے افعال کرتا ہے اور اپنے اسی اختیار کی بنا پر دنیا میں مدح وذم اور آخرت میں ثواب وعذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ ⑳

معبد بن خالد الجہنی نے جو قدریہ کا رئیس وزعیم تھا سنا کہ بعض لوگ تقدیر کو خدا کی نافرمانی کا بہانہ بنا رہے ہیں تو اس نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا:

''تقدیر وغیرہ کچھ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو حوادث کا علم اسی وقت ہوتا ہے جب وہ وقوع میں آتے ہیں''۔ ㉑

اس سے معبد کا اصلی مقصد ازلی علم وارادہ کی نفی کرنا اور یہ ثابت کرنا تھا کہ انسانی افعال خلاقِ عالم کی قدرت کے دائرہ سے باہر ہیں۔

''انسان اپنے آپ کو آزاد ومختار اس لیے سمجھتا ہے کہ اس کو اپنے افعال کا تو شعور ہوتا ہے لیکن وہ ان اسباب وعلل سے جاہل ہے جو ان افعال کا تعین کرتی ہے''۔ ㉒

علامہ اقبال اپنی فلسفیانہ کتاب میں لکھتے ہیں۔

God created all things and assigned to each its destiny. The destiny of a thing, then is not an unrelating fate working from without like a task-master, it is the invard reach of a thing, its realizable possibities which is within the clepths of its nature socially actualize themselves without any feeling of external compulsion."㉓

---

⑳ مسئلہ جبر وقدر، ص ۴۸

㉑ اسلامی مذاہب، ۱۹۰

㉒ قرآن اور تصوف، ص ۱۹۰

㉓ Allama Iqbal Reconstroction of Religious Thought in Islam.

میرولی الدین مزید لکھتے ہیں:

''انسان اس معنی میں مجبور نہیں کہ اس کی ''قابلیات'' بھی تخلیقِ الٰہی قرار دیے جائیں۔ انسان کی فطرت یا ماہیت بالفاظِ دیگر اس کا ''عین'' ہے اور اسی لیے اس کو اختیار اور آزادی حاصل ہے''۔ [۳۴]

اپنے الفاظ میں شاید اقبالؒ اسی مفہوم کو ادا کر رہے ہیں:

تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
ناداں جسے کہتے ہیں تقدیم کا زندانی

③ مرجئہ

حنیف ندویؒ عقلیات ابن تیمیہؒ میں لکھتے ہیں:

''صحابہؓ کے ایک گروہ نے شیعہ اور خوارج کے برعکس اس مناقشہ میں پڑنے اور غالیانہ رائے رکھنے سے انکار کر دیا، ان میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمرؓ اور عمران بن الحصینؓ کا نام سرِفہرست سمجھنا چاہئے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہ جو چاہے قیامت کے روز فیصلہ کرے ہم ان سب کو بہر حال مسلمان ہی سمجھیں گے''۔ [۳۵]

یہ مؤقف بلاشبہ مصالحانہ تھا اس کے بعد بنوامیہ کے زمانہ میں اس مسئلہ نے قدرے وسعت اختیار کی اب یہ نئی خلش تشویش واضطراب کا سبب بن گئی کہ ان لڑائیوں سے قطع نظر عموماً مرتکبِ کبیرہ کا کیا حکم ہے؟

مرجئہ کے عقائد

ابوالحسن اشعریؒ لکھتے ہیں:

''اہل صلوۃ جو اللہ کے پہچاننے والے اور اقرار کرنے والے ہیں اور اللہ کے پیغمبروں کو

---

[۳۴] قرآن اور تصوف، ص ۱٦٦

[۳۵] محمد حنیف ندویؒ: عقلیات ابن تیمیہؒ، ص ۱۰٦

تسلیم کرتے ہیں اگر گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں تو اس کے باوجود اس لحاظ سے مومن ہی رہیں گے کہ ایمان کی دولت ان سے کبھی بھی چھپی نہیں اور اس اعتبار سے فاسقوں میں شمار ہوں گے کہ انہوں نے بہر حال فسق کا ارتکاب کیا''۔ (۳۶)

④ معتزلہ

اس فرقہ نے اموی عصر وعہد میں بال و پر نکالے اور عباسی خلافت میں عرصہ دراز تک اسلامی فکر پر حاوی رہا اس فرقہ کے وقتِ ظہور میں اختلاف ہے۔

ڈاکٹر احمد امین اپنی کتاب فجر الاسلام میں لکھتے ہیں:

''علامہ مقریزی کی کتاب ''الخطط'' میں ہماری نظر سے گزرا کہ ان دنوں جو یہودی فرقے ادھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے ان میں ایک فرقہ ''فروشیم'' کہلاتا تھا جس کے معنی ہیں ''معتزلہ''۔ یہ فرقہ تقدیر پر بھی گفتگو کرتا تھا اور یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ بندوں کے سب افعال خدا کے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ کچھ بعید نہیں کہ یہود میں سے جو لوگ معتزلہ اسلام اور معتزلہ یہود کے مابین قریبی مماثلت پائی جاتی ہے، معتزلہ پر اس نام کا اطلاق کیا ہو''۔ (۳۷)

یہود فلاسفہ کی منطق کی روشنی میں تورات کی تشریح و توضیح کرتے تھے اسی طرح معتزلہ اسلام قرآن میں بیان کردہ صفات کی تاویل بھی فلسفیانہ انداز میں کرتے ہیں۔

معتزلہ کے معتقدات وتعلیمات

معتزلہ کے معتقدات اور تعلیمات کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ بات وضاحت کے ساتھ سامنے آجاتی ہے کہ وہ دو چیزوں کے زیادہ حریص تھے اور ان کی تمام سرگرمیاں اسی محور کے گرد گھوما کرتی تھیں اور وہ دو چیزیں یہ ہیں۔

---

(۳۶) علامہ ابوالحسن اشعریؒ: مقالات الاسلامیین، ۱۵۴، حصہ اول

(۳۷) امین احمد: فجر الاسلام، ص۲۱۲

❀ انتصارِ عدالتِ الٰہیہ

❀ دفاعِ وحدانیت الٰہی [۳۸]

معتزلہ کے عقائد

⦿ خدا کی تمام باتیں مصلحت پر مبنی ہیں اور ایک ذرہ بھی حکمت سے خالی نہیں

⦿ اس نے نظام عالم کا ایسا باقاعدہ اور مضبوط سلسلہ قائم کر دیا ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتا

⦿ اس نے اشیاء میں خواص اور تاثیر رکھی ہے جو اس سے منفک نہیں ہوتی

⦿ اس نے انسان کو اپنے افعال کا مختار اور ذمہ دار بنایا ہے، عدل وانصاف اس کی فطرت ہے اور کبھی اس سے ناانصافی کا ظہور نہیں ہوسکتا۔ [۳۹]

معتزلہ کے اصولِ خمسہ:

ابوالحسن خیاطؒ اپنی کتاب الاختصاء میں لکھتے ہیں:

''کوئی شخص جب تک ذیل کے اصول خمسہ کا معتقدانہ ہو''معتزلی'' کہلانے کا سزاوار نہیں ہوسکتا۔''

① توحید ② عدل ③ وعدووعید

④ کفر واسلام کی درمیانی منزل کا اقرار ⑤ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

⑤ اشاعرہ

معتزلہ کے بعد اشاعرہ کا گروہ آیا ابوالحسن اشعری جو پہلے معتزلی تھے اس نے معتزلہ کے عقائد کے آگے بند باندھا اور یہ نقطہ نظر دیا کہ انسان اپنے اعمال کا خالق نہیں ہے بلکہ مکتسب ہے۔

آزادی ارادہ کے مسئلے پر مسلمانوں میں شدید اختلاف موجود رہا ہے معتزلہ اور اشاعرہ کے ہاں اسے بڑی اہمیت حاصل ہوگئی تھی اور باہم دیگر متناقض نظریات پیش کیے جارہے ہیں پھر معتزلہ اور جبریہ کے مابین فکری تصادم زوروں پر تھا۔

---

۳۸ ہدیٰ حسن جاراللہؒ: تاریخ معتزلہ، ص۴۰

۳۹ علم الکلام، ۲۲/۱

اشعری عقائد

''اشاعرہ نے ان دونوں نظریات سے ہٹ کر اس مسئلے کو یوں حل کرنے کی کوشش کی کہ انسان شے کو تخلیق کرنے کا اہل نہیں ہے، خالق صرف اللہ کی ذات ہے انسان محض اعمال کا اکتساب کرتا ہے۔ یوں اشاعرہ نے تخلیق اور اکتساب کے مابین امتیاز ظاہر کر کے انسانی اختیار کے حدود کا تعین کیا۔ ان کا خیال تھا کہ انسان کی قوت عطائی ہے اور عطائی قوت کسی شے کی تخلیق نہیں کر سکتی تخلیق کے لیے ذاتی قوت کا موجود ہونا ضروری ہے جو صرف اللہ کو حاصل ہے، اللہ کا عمل تخلیق دو طرح کا ہوتا ہے بلا واسطہ اور بالواسطہ۔ اعمال انسانی کو اللہ کی بالواسطہ تخلیق کہا جا سکتا ہے اللہ انسان کے اندر قوت، قابلیت، قوت انتخاب اور ارادہ تخلیق کرتا ہے اور ان تمام عطائی صفات سے متصف ہو کر انسان مختلف راستوں میں سے کسی ایک راستے کا انتخاب کرتا ہے''۔ [۴۰]

شبلی نعمانیؒ اشعری حضرات کا نقطہ نظر بیان کرتے ہیں:

''خدا کے احکام مصلحت پر مبنی نہیں کوئی چیز دنیا میں کسی کی علت نہیں، اشیاء میں خواص اور تاثیر نہیں، خدا نیک آدمیوں کو بلا وجہ سزا دے تو یہ ناانصافی نہیں، انسان کو اپنے افعال پر قدرت نہیں، خدا ہی انسان سے نیکی کراتا ہے اور برائی بھی''۔ [۴۱]

مسئلہ خلق قرآن

معتزلہ کے مطابق قرآن مخلوق ہے جبکہ عام مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق قرآن کلامِ الٰہی ہے اور کلام الٰہی ایسی مخلوق نہیں ہوسکتا کیونکہ خدا نے کن سے ہر شے کو تخلیق کیا ''کن'' ایک لفظ ہے اور خدا کا کلام ہے اگر قرآن مخلوق ہے تو مخلوق خالق کیسے بن سکتی ہے کیونکہ کن پر خالق ہونا لازم آتا ہے کلام تخلیق سے مختلف ہے کلام تخلیق نہیں ہوسکتا۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے جس مسئلہ میں مختلف تھا اسی کو اسلام و کفر کی حد فاصل قرار دیتا تھا۔

---

[۴۰] عبدالخالق: مسلم فلسفہ، ص ۲۰
[۴۱] علم الکلام، ۲۲/۱

کلام الٰہی قدیم ہے یا مخلوق و حادث؟ معتزلہ کہتے تھے کہ کلام الٰہی خدا کی جو صفات قدیمہ میں ہے وہ قدیم ہے لیکن جو الفاظ آنحضرت ﷺ پر نازل ہوتے تھے وہ مخلوق اور حادث تھے محدثین کہتے تھے کہ کلام الٰہی ہر حال میں قدیم ہے۔ زیادہ تدقیق سے دونوں کا حاصل ایک ہی ٹھہرتا ہے لیکن دونوں فرقوں نے اس مسئلہ کو کفر و اسلام کی حد فاصل قرار دیا۔[۴۲]

عباسی خلفاء میں سے بالخصوص ہارون، مامون اور واثق کے دور تک یہ مسئلہ معتزلہ کے معرکۃ الآراء مسائل میں رہا اس سلسلے میں محدثین کو اور فقہاء کو جبراً اس مسئلے کا قائل کرنا چاہا۔ بڑے بڑے فقہاء کو پابہ زنجیروں میں جکڑ کر تفتیش کے لیے بغداد بھیجا گیا واثق کے عہد میں تو امام شافعیؒ اور یوسف بن یحییٰ جیسے فقہاء اس مسئلے کی بھینٹ چڑھے۔

''مامون تو اس مسئلے میں اس قدر بڑھا کہ اس نے کہا اسلام صرف اس صورت میں قائم رہ سکتا ہے جب معتزلی عقائد کو مان لیا جائے بالخصوص مسئلہ خلقِ قرآن کو اس نے حکم دیا کہ جو لوگ اس کو نہ مانیں اور قرآن کو مخلوق تسلیم نہ کریں تو انہیں فوراً گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دیا جائے''۔[۴۳]

بالآخر اس مسئلہ خلق قرآن سے نجات عباسی خلیفہ واثق کے دور میں ملی، اس نے اس مسئلے میں سزا دینا ترک کر دیا۔

---

۴۲ ایضاً، ص ۳۰

۴۳ شاہ معین الدین ندویؒ: تاریخ اسلام، ۳۷۹/۲، ۳۸۰

باب سوم

افکارِ اسلامی پر بیرونی اثرات کے اسباب وعوامل

فصل اوّل

علومِ عجمیہ کے نفوذ کی راہیں

فصل دوم

عجمی و یونانی علوم کی اشاعت کے نتائج

افکارِ اسلامی پر بیرونی اثرات کے اسباب وعوامل

تعلیم پیرِ فلسفہ مغربی ہے کہ ناداں ہیں جن کو ہستیٔ غائب کی ہے تلاش
پیکر اگر نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا ہے شیخ بھی مثالِ برہمن صنم تراش
محسوس پر بنا ہے علومِ جدید کی اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنون خام ہے جس سے آدمی کے تخیل کو ارتعاش
کہتا مگر ہے فلسفہ زندگی کچھ اور مجھ پر کیا یہ مرشدِ کامل نے راز فاش
باہر کمال اند کے آشفتگی خوش است
ہرچند عقلِ کل شدہ بے جنوں مباش
(اقبالؒ)

فصل اول

علومِ عجمیہ کے نفوذ کی راہیں

اسلام کے قرن اول میں فلسفہ اور دوسرے غیر اسلامی علوم سے مسلمانوں کو کوئی دلچسپی نہ تھی، ان کے افکار وایمانیات کی بنیاد قرآن کریم اور سنتِ رسول ﷺ پر قائم تھی لیکن اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ قرآن کریم نے مسلمانوں کو دوسرے علوم وحکمت کی تحصیل وترویج سے باز رہنے کی ہدایت کی تھی یا اسلام کسی قسم کے بیرونی اثرات کے قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام نے ہر قسم کے علوم کی تحصیل کی دعوت دی ہے، رسول کریم ﷺ نے بار ہا مسلمانوں کو طلب علم کی ترغیب دی خواہ وہ کہیں سے حاصل ہو آپ نے بہت سی مفید عجمی باتوں کو قبول کیا۔

> اسلام نے دیگر ممالک کے علوم کو سیکھنے اور ان سے متمتع ہونے کو برا نہیں سمجھا لیکن جو چیز اسلام کے نزدیک مذموم ہے وہ علوم وعقائد اسلامی کو دوسرے علوم سے مغلوب کرنا ہے۔ اسلام ایک حیات پرور وایمان افزا نظام عمل ہے اس لیے وہ ہر اس خواب آور شے کو حرام قرار دیتا ہے جو انسان کو عمل سے محروم کر دے۔ وہ یقین وایمان کو شک و گمان سے مغلوب کرنا نہیں چاہتا یا اسلام کے نزدیک مرکزِ حق ویقین وحی الٰہی وحکمت نبویؐ ہے۔ وہ تمام معلومات وافکار انسانی کو اسی کے مطابق دیکھنا چاہتا ہے وہ انسانی نظریات وقیاسیات کو مرکز علم ویقین قرار دے کر وحی الٰہی کو اس کے ماتحت کرنے کا کوئی تخیل اپنے اندر نہیں رکھتا۔

تقلیدِ عجمیت اور اس کے اسباب

خلافتِ راشدہ کے بعد مسلمانوں نے علومِ ایران ویونان وہند کو مرکز حق ویقین قرار دے کر آیات الٰہی کی ان کے مطابق تاویل شروع کر دی اور انہی علوم مہلکہ کو اپنے خیالات وافکار کا نصب العین بنا لیا۔ اسی تقلیدِ عجمیت کے مختلف اسباب ہیں۔

نومسلموں سے اختلاط

محمد کاظم اس کے متعلق لکھتے ہیں:

''جب فتوحات اسلامی کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور دوسرے مذاہب کے لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے جن میں یہودی، عیسائی، مجوسی اور دہریے تھے۔ یہ لوگ اگرچہ کلمہ پڑھ کر اسلام لا چکے تھے لیکن ان کے ذہنوں میں ان کے پہلے مذاہب کے بہت سے اثرات باقی تھے۔ چنانچہ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ انہوں نے اسلام میں اسی طرح کے مسائل اٹھانے شروع کر دیے جو ان کے مذاہب میں اٹھائے جاتے تھے اور اس بحث و مناظرہ کے مقاصد کے لیے یہ مذاہب پہلے سے ہی یونانی فلسفے اور منطق سے اپنے آپ کو مسلح کر چکے تھے۔ ان کو اس امر کا خاصہ تجربہ تھا کہ کسی مسئلے پر بحث کیسے کی جاتی ہے اور منطق سے کام لے کر دوسرے کو نیچا کیسے دکھایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ان نومسلموں نے جب اسلام میں آ کر وہی مسائل اٹھائے تو مسلمان جن کا عقیدہ بڑا سادہ تھا۔ ان کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ نہ کر سکے پھر یہی نہیں کہ یہ مسائل ان لوگوں کی طرف سے اٹھائے گئے جو قریبی زمانے میں اسلام لائے تھے بلکہ اسلامی ممالک میں بسنے والے دوسرے مذاہب والوں یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی اسی طرح کے مسائل مسلمانوں کے سامنے کھڑے کر دیے''۔ ①

عجمیوں کا علمی ذوق

مولانا شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں:

''بنو امیہ کے عہد تک یہ مباحث اور مناظرے مسلمانوں میں ہی محدود تھے لیکن عباسیوں کے عہد میں یہ دائرہ وسیع ہو۔ اعباسیوں کے زمانے میں تعلیم کو علومِ عربیہ کی

---

① محمد کاظم: مسلم فکر و فلسفہ عہد بہ عہد، ص ۸۸

تعلیم حاصل کرتے تھے اور اس وجہ سے مسلمانوں کے مذہبی خیالات اور اعتقادات سے واقف ہونے کا ان کو موقع ملتا تھا اس کے ساتھ عباسیوں نے (بنو امیہ کے برخلاف) لوگوں کو مذہبی آزادی دے رکھی تھی جو شخص چاہتا تھا کہہ سکتا تھا اس طرح دوسری قوموں کو جرات اور موقع حاصل ہوا کہ اسلامی عقائد پر ردوقدح کر سکیں۔'' [۲]

کتب کے تراجم

ان سب پر مستزاد یہ ہوا کہ ''خلیفہ منصور نے دنیا کی تمام زبانوں کو علمی اور مذہبی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کرائیں ان کو پڑھ کر مسلمانوں کے سیکڑوں آدمیوں کے عقیدے متزلزل ہو گئے، اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں میں زندقہ اور الحاد پھیل گیا''۔ [۳]

اسلامی فلسفہ المامون عباسی خلیفہ کے دور سے شروع ہوا المامون قرآن کریم کے قدیم اور ازلی ہونے کے قدامت پسندانہ نظریہ سے ہٹ کر قرآن کے حادث اور مخلوق ہونے پر اعتقاد رکھتا تھا اور کھلم کھلا آزاد خیال علمائے دین اور معتزلہ متکلمین کی پشت پناہی کرتا تھا۔ اس حقیقت سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان ایک عرصہ پہلے سے یونانی اندازِ فکر اور عیسائی علوم دینیہ سے روشناس ہو چکے تھے۔ مامون الرشید نے بغداد میں حکماء اور فضلاء کا ایک مرکز علم وتحقیق قائم کیا جہاں یونانی علوم کی تحقیق و ترجمہ کا کام نہایت ذوق وشوق سے ہونے لگا۔ ترجمہ کے کام میں ماہر طب حسنین اسحاق العبادی نسطوری اور اس کے خاندان نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا''۔ [۴]

سعید اختر لکھتے ہیں:

''یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ شاید ہی علم فلسفہ کا کوئی پہلو باقی رہا ہو جسے عربی زبان میں منتقل نہ کر لیا گیا ہو''۔ [۵]

---

[۲] مولانا شبلی نعمانی: علم الکلام اور الکلام، ص ۳۴

[۳] علم الکلام اور الکلام، ص ۳۴

[۴] سعید اختر: سرمایہ افکار، ص ۴۶

[۵] ایضاً

مسلم فکر پر سب سے زیادہ اثرات یونانی فکر کے ہیں۔

''مسلمانوں کے فلسفیانہ افکار کا سرچشمہ فلسفہ یونان ہے، عربوں نے ایک تو یونانی فلسفہ کو مستعار لے لیا تھا جو شام کے عیسائیوں اور حران کے ملحد فرقہ میں متداول تھا اور پھر اس میں ایران اور ہندوستان کے فلسفہ کے بعض اجزاء کی آمیزش کر لی تھی''۔ ⑥

عربوں کا سیاسی اختلاف اور عجمیوں کی مداخلت

خلافت کے مسئلوں میں عربوں کے باہمی اختلافات نے مصر و ایران کے نومسلموں کو حکومت کے معاملات میں مداخلت کرنے کے کافی مواقع بہم پہنچائے اور انہی اختلافات کی وجہ سے بنوامیہ کے آخر زمانے تک ایرانی حکومت کے زیر اثر شیعوں پر حاوی ہو گئے۔ عربوں کی حکومت پر ایرانیوں نے جو اثر جما لیا تھا اس کا اندازہ سلیمان بن عبدالملک کے مندرجہ ذیل قول سے ہوتا ہے۔

''یہ امر تعجب انگیز ہے کہ عجمیوں کو ایک ہزار برس کی حکومت میں ایک ساعت کے لیے بھی ایک عرب کی ضرورت نہ ہوئی اور عرب ایک صدی کی حکومت میں بھی عجمیوں کی اعانت سے بے نیاز نہ رہ سکے۔'' ⑦

---

⑥ حوالہ بالا، ص ۱۴، ۱۵

⑦ عبدالوحید خان: مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان، ص ۴۱۷

فصل دوم

عجمی و یونانی علوم کی اشاعت کے نتائج

غیر اسلامی فلسفہ وعلوم کی کثیر اشاعت وترویج اور علما وحکما ،عجمی کی غیر معمولی قدر ومنزلت نے مسلمانوں کی ذہنیتوں پر پورا قبضہ کرلیا۔ان کے ذہن ودماغ اور قلب ونظر تمام تر عجمی رنگ میں رنگے گئے ۔ابتدائی دوصدیوں میں وہ عجمی تہذیب وتمدن اور معیشت ومعاشرت سے اس قدر مغلوب ومتاثر ہوئے کہ انہوں نے اسلام کے سیدھے سادھے طریقوں اور اصولوں کو چھوڑ کر عجمیت ہی کو اپنا نصب العین بنالیا۔اس حقیقت پر حضرت شاہ ولیؒ اللہ صاحب تفہیمات میں افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''میں ان طالبانِ علم سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں کہ بیوقوفو! تم یونانیوں کے علوم اور صرف ونحو میں پھنس گئے اور سمجھے کہ علم اسی کا نام ہے، حالانکہ علم تو کتاب اللہ کی آیت محکمہ ہے یا وہ سنت ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو''۔[۸]

تقلید ارسطو وافلاطون:

ارسطو اور افلاطون کی تعلیمات جن کو مسیحیت تک نے رد کردیا تھا ،مسلمان علماء کے نزدیک علم الیقین سمجھی جاتی تھیں ۔افلاطون کا نظریہ روح اور فلسفہ فطرت ان کے نزدیک حقیقت وصداقت پر مبنی تھا اور سقراط کے مشہور جملے ''اپنے آپ کو پہچان'' کے وہ عجیب عجیب معانی بیان کرکے ''من عرف نفسه فقد عرفه ربه'' سے مطابقت پیدا کرتے تھے۔

حسن عسکری لکھتے ہیں:

> ''یونانی فکر لاتعین، احدیت اور وراء الوراء کے درجے تک کبھی نہیں پہنچا یعنی مکمل تنزیہہ اور توحید یونانی فلسفیوں کو کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ یونانی فکر ''وجود'' کی منزل سے آگے کبھی نہیں جاسکا۔اسلامی اصطلاح کے مطابق یوں کہہ سکتے ہیں کہ یونانی مفکر عالم جبروت سے اوپر نہیں اٹھ سکے''۔[۹]

---

۸ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: تفہیمات، ص ۳۲۳

۹ حسن عسکری: جدیدیت، ص ۲۵

زرتشت کی مسخ شدہ تعلیمات ثنویت نے اکبر بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان میں رواج پایا۔مسلمانوں میں پل صراط کا موجودہ تخیل اور یہ عقیدہ کہ مرنے کے بعد تین روز تک روح بدن کے گرد پھرتی رہتی ہے،اسی لیے انہیں تین دنوں میں تمام شعائر دینی کا انجام دینا ضروری ہے۔اس عہد کے زرتشتی عقائد سے ماخوذ ہے معتزلہ کا جو مسلک مسئلہ جبر وقدر میں ہے وہ بھی زرتشتی عقائد سے مستعار بتایا جاتا ہے۔

علم وعقل

مسلمانوں میں یہ عقیدہ کہ کسی ''شے'' کا صحیح علم اور سچا عقیدہ عمل صالح سے بڑھ کر ہے ''یونانی'' بالخصوص نوافلاطونیت کے فلسفہ ''عقلیت'' سے ماخوذ ہے۔یعقوب الکندی نے اس مسئلہ میں یونان کی کامل تقلید کی ہے وہ علم وعقل ہی کو تمام کائنات کا محور ومرکز مانتا ہے۔اس نے توفیثہ غورثی ونوفلاطونی خیالات کو اسلامی عقائد سے مخلوط کر دیا،ایک طرف وہ پیغمبر کی ضرورت کا قائل ہے دوسری طرف پیغمبری کو عقل ووہم سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اسی باطل فلسفہ ''عقل'' پر تنقید کرتے ہوئے علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں کہ:

''ان لوگوں کے مدارک کا تمام تر حاصل یہ ہے کہ پہلے انہوں نے حواس کے ذریعہ جسم کو سمجھا یا اور پھر جب ان کے ادراک نے کچھ ترقی کی تو نفس کا وجود مانا جو حیوانات میں حس وحرکت کا مبداء ہے پھر قوائے نفسانی میں سے عقل تک پہنچے اور یہیں آکر ان کا ادراک رک گیا کہ آسمان بھی صاحب العقل والنفس ہیں اور اس قیاس کو دس عقلوں اور نو آسمانوں کے وجود پر ختم کیا اور عقل وہم کو عقل فعال مانا اور بزعم خود سمجھنے لگے کہ انسانی سعادت ہی ہے کہ ترتیب وجود کو مذکورہ بالا سلسلہ کے موافق آدمی سمجھ کر اپنے نفس کو فضائل سے آراستہ کرنا،مقتضائے عقل وفکر ہے۔رذیلت وفضیلت کو سمجھنا اور محاسن ومحامد کی طرف مائل ہونا یعنی بغیر شرع بھی سعادت حاصل ہوسکتی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ فضیلت وحکمت ہی جنت ہے اور جہل شقاء ابدی ہے۔فلاسفہ تمام موجودات کو عقل اول کی طرف اسناد کرتے ہیں اور عقل اولیٰ سے سلسلہ ترقی واجب الوجود تک پہنچاتے ہیں یہ دراصل مراتب خلق اللہ کہ نہ جاننے کا نتیجہ ہے کہ ذات واجب کی تخلیق

کو صرف ایک عقل تک محدود کیے دیتے ہیں ورنہ وجود کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ یہ لوگ عقل اول کی تخلیق کا اثبات اور باقی چیزوں سے غفلت کر کے دراصل انہی حکماء کے برابر ہو گئے ہیں جو جسم کے سوا کسی چیز کے وجود کے قائل نہیں ہیں۔ فلاسفہ کا یہ قول بھی باطل ہے کہ نفس کا ادراک تام ہی جو بلا واسطہ حواس ہو سعادت نفسانی ہے یہ مسلم ہے کہ کسی اور ادراک کے سوا ایک اور ادراک بھی نفس کو حاصل ہوتا ہے اور اس سے اسے محبت و سرور بھی حاصل ہوتا ہے لیکن اسی کو عین سعادت اخروی مان لینا کیونکر ممکن ہے''؟ [۱۰]

افعال و اعمال کی بنیاد' اسلام کے نزدیک وحی ہے نہ کہ عقل۔ عقل جس حد تک معاملات و افعال انسانی میں اہمیت رکھتی ہے اس کی بہترین اسلامی تفسیر علامہ اقبالؒ نے اس طرح کی۔

خرد سے راہرو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے؟ چراغ رہ گزر ہے
دردن خانہ ہنگامے میں کیا کیا
چراغ رہ گزر کو کیا خبر ہے

بہائیت

اسی طرح تیرہویں صدی میں زرتشتی' مانویت اور باطنیت کے خیالات سے متاثر ہو کر ایک نئی تحریک 'بہائیت' کے نام سے ظہور میں آئی جس کا بانی علی محمد باب تھا۔ اس نے ۱۲۶۰ھ میں اپنے باب یعنی مہدی موعود کا واسطہ اور پھر ۱۲۶۴ھ میں خود مہدی ہونے کا اعلان کیا اس تحریک کے تمام تر اصول وہی تھے جو باطنیت یا اسماعیلیت کے تھے لیکن ان کی شریعت اسلام کے نسخ پر ہی اس جماعت کی بنیاد تھی ان کے یہاں اسلامی نماز با جماعت بالکل ممنوع ہے۔

علی محمد باب کے قتل ہو جانے کے بعد بہاء اللہ (مرزا حسین علی) نے الوہیت و ربوبیت کا دعویٰ کیا۔ یہ شخص دو (۲) محرم ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوا اور ستائیس (۲۷) سال کی عمر میں باب کے مذہب میں داخل ہوا، اسی نے اسلامی شریعت کو منسوخ کرنے کی اسکیم سوچی اس اسکیم کو روسی حکومت کی طرف سے خاص طور سے مدد دی گئی بہائی لوگ اس شخص کو خدا مان کر اس کی پرستش کرتے ہیں۔

---

[۱۰] علامہ ابن خلدونؒ: مقدمہ ابن خلدون، ۳/۱۶۵، ۱۶۴

نظام

علاف سے زیادہ مشہور مسلم فلسفی یونانیت سے متاثر تھا وہ اکثر عقائد میں ارسطو وافلاطون کا پیرو نظر آتا ہے۔ یونان کے اس مشہور عقیدہ کو وہ بالکل صحیح سمجھتا تھا کہ ''خدا شر کا فاعل نہیں ہوسکتا وہ صرف اسی فعل کو کرسکتا ہے جس کو وہ اپنے بندے کے لیے بہتر سمجھتا ہے اس کی قدرت بس انہی افعال تک محدود ہے جو حقیقت کا جامہ پہن چکے ہیں۔'' ⑪

نظام تقلید یونانیت میں اس حد تک فنا ہوگیا تھا کہ اس نے قرآن کریم کی ہمہ گیر افضلیت تک کا انکار کیا، اس کی نظر میں اسلامی عقیدہ عذاب وثواب کی بھی کوئی اہمیت نہ تھی، جہنم اس کے نزدیک محض ایک سوزش کا عمل ہے۔

رہبانیت وتصوف

اسلام میں رہبانیت وخانقاہیت کے ظہور کے اگرچہ اور بہت سے اسباب ہیں لیکن سب سے بڑا سبب ہندوستان کے فلاسفہ کی تعلیمات ہیں۔ افلاطون وحکماء نوفلاطونیت زیادہ تر پہاڑوں میں زندگی بسر کرتے تھے۔

> ''رومی فلسفے کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی اصل مصیبت اس کی خواہشات ہیں۔ اگر انسان خواہشات سے بے نیاز ہوجائے اور خوشی کے وقت خوش نہ ہو اور رنج کے وقت مغموم نہ ہو تو اسے مکمل سکون مل جاتا ہے مگر یہ نفس کشی برائے نفس کشی تھی قوم کی خدمت کی خاطر کسی اعلیٰ تر چیز کے لیے نہیں''۔ ⑫

اسلام میں رہبانیت وخانقاہیت اور وحدت الوجود، وحدت الشہود کے خیالات یونان وہند سے ایران کے راستے داخل ہوگئے۔

سحر ونجوم

سحر ونجوم کے علوم عرب میں اسلام سے قبل جاری تھے۔ علم نجوم سب سے پہلے کلدانیوں نے ایجاد کیا۔ انہی سے یہ علوم یونانیوں مصریوں اور ہندیوں وغیرہ نے سیکھا۔ عرب میں علوم ونجوم کے ماہرین کو کاہن کہتے تھے وہ منتر جنتر اور مختلف عملوں کے ذریعے بیماریوں کا علاج کرتے تھے، مسلمانوں نے یہ غضب کیا کہ ان کاہنوں کے سب طریقوں کو اختیار کرکے منتروں کی بجائے قرآن کریم کی آیات سے وہی کام لینا شروع کردیا۔

---

⑪ ٹ۔ ج دوبوئر: تاریخ فلسفہ اسلام، ص ۴۷

⑫ جدیدیت، ص ۲۹

باوجود اسلام کی مخالفت کے اس قسم کے علوم نے اسلامی خیالات کو متاثر کیا اسی طرح سحر اور شعبدوں کے خیالات مسلمانوں میں یونانیوں سے آئے۔

علامہ عبدالوحید لکھتے ہیں:

''اسی طرح قیافہ فال اور خواب کی تعبیروں کے متعلق بہت سی یونانی کتابوں کے تراجم عربی زبان میں کیے گئے جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں سحر، طلسمات، عملیات فال و رمل وغیرہ کے تخیلات عام ہو گئے اور ان کے مذہبی عقائد کا جزو بن گئے''۔[۱۳]

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

An Ancient Roman culture much importance was given to sorcery and counter sorery, both from the magic. These seem to have been associated with the development of new urban classes whose numbers had to rely on their own efforts both in material and magical terms to defeat their rivals and to rise in the new regimes, whose individual merits and talents were rewarded. Spells are recorded to ensure victory in love as well as in business, games and adademic pursuits such as aratory with these are counter spells to defeat rival socerers.[۱۴]

---

۱۳ مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان، ص ۴۳۳

۱۴ Encyclopedia Britanica Vol. 11, P.298

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

ستارہ کیا میری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخی افلاک میں ہے خوار و زبوں

علوم طبعی

علوم طبعی میں بھی مسلمانوں نے یونانی تحقیقات کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے انہی کی تقلید کو اپنا شعار بنالیا۔ چنانچہ مسلمانوں میں زمین کے مسطح اور ساکن ہونے، آسمانوں کے مجسم ومتحرک ہونے اور ستاروں کے آسمانوں میں جڑے ہوئے مسائل میں جو عقائد رواج پا گئے وہ سب یونان سے ماخوذ تھے۔ یونانی صرف منطقی قسم کی قوم ثابت ہوئی اگرچہ کئی ایک نئے اور اچھوتے نظریات قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے مگر ان کے ہاں تجرباتی کام کا فقدان تھا۔

"The greeks observed the world as poets rather than as man of Science".⑮

مسلمانوں نے ان تحقیقات کو من وعن تسلیم کرلیا اور اسماء والارض کی تقسیم میں ان خیالات کو شامل کردیا آسمان کے یونانی تخیل کو صحیح ماننے کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں سماء کا ذکر آیا یونانیت سے متاثر ہوکر مفسرین نے اس کی تفسیر انہی کی تحقیق کے مطابق کی۔ اس لیے ان کو بہت سی آیات کے سیدھے سادھے مفہوم کی عجیب عجیب تاویلات کرنا پڑیں۔ حقائق قرآنی کے باوجود سماء، نزول ماء کی تفسیریں یونانی تحقیقات کو سامنے رکھ کر کرنا قرآن کریم کے ساتھ کس قدر ظلم ہے؟

عجمی خیالات

عجمی خیالات نے نہ صرف اسلامی عقائد وافکار اور ارباب ولسان کو متاثر کیا بلکہ عجمی طرز پر عرب میں موسیقی وغناء کا رواج عام کردیا اور عربی اشعار میں ایرانی، لہجوں اور نغموں کو ڈھال دیا۔

''اسلام سے قبل موسیقی پر یونانی نظریے کا گہرا اثر تھا۔ مصر، ایران، یونان اور عرب ممالک میں موسیقی کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ عرب مؤرخین کا اس امر پر بھی اتفاق

---

⑮ J.G. Crowther, The Scientific outlook P. 18

ہے کہ عرب کا پہلا مغنی ''طویس'' تھا اور اس کے بعد ایک خاتون ''عزت المیلا'' بڑی موسیقار تھی''۔[۱۴]

اس طرح عربوں نے باجوں پر گانے اور باجوں کو مختلف طور سے بنانے کا علم ایران سے حاصل کیا اور اس کی اتباع میں مشاعرے اور مجالس ادب وشعر وغیرہ کے طریقے بھی عربوں نے فارس ہی سے حاصل کیے۔ چنانچہ خلفاء بنو امیہ، بنو عباس کی مجالس اور بزم شعر ادب اور گانے کی محفلوں میں جو وجد اور رقص وغیرہ ہوتے تھے وہ بھی ایران ہی سے لیے گئے اور ان کی داد و دہش سے یہ تباہ کن غیر اسلامی فنون لطیفہ اسلامی سوسائٹی میں گھستے چلے گئے۔

بہرحال اس طرح اسلام کے ہر پہلو میں بیرونی اثرات داخل ہو گئے ان بیرونی علوم کی بناء پر تفریق آراء کا دروازہ اسلام میں کھل گیا۔

---

[۱۴] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۵/۵۵۴

تاریخ تصوف

فصل اوّل

تاریخ، آغاز وارتقاءِ تصوف

فصل دوم

عقائد

فصل سوم

شریعت وطریقت کی علیحدگی

تاریخِ تصوف

تم اس کو بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تابساط زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
مست رکھو ''ذکر و فکر'' صبحگاہی میں اسے
پختہ کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

(اقبالؒ)

فصل اول

تاریخ آغاز وارتقاءِ تصوف

ماضی میں صوفیا نے اپنے مخصوص علم کلام سے اور تربیت وتزکیہ کے بعد غیر اسلامی تصورات اپنا کر اپنے آپ کو محدود کرلیا تھا اور وہ لوگ جو سختی سے احکام وسنت کی پیروی کرنا چاہتے تھے وہ ان سے بدکتے تھے، حالانکہ جب تصوف کی ابتداء صدر اول میں ہوئی تو اس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ احکامِ شریعت کی اطاعت کا صحیح حق ادا کیا جائے تاکہ آدمی آخرت میں اللہ کی خوشنودی سے محروم نہ رہ جائے۔ظاہر ہے کہ اگر تصورف وتزکیہ سے مراد یہی کچھ ہوتو کون اسے غلط کہہ سکتا ہے؟ لیکن بعد میں صوفیا نے جب اپنا مخصوص علمِ کلام ایجاد کیا اور تربیت وتزکیہ کے بعد بعض غیر اسلامی طریقے اپنائے تو قرآن وسنت کی سختی سے پیروی کرنے والے گروہوں کا صوفیا سے گریز بالکل فطری تھا۔تصوف اپنے دورِ انحطاط میں اتنا کچھ بدل گیا ہے کہ پہچانا نہیں جاتا۔صاحب دل کے صحیح تر الفاظ ہیں:

> ''تصوف حال تھا لیکن اپنے دورِ انحطاط میں بے حال بن گیا، وہ احتساب تھا لیکن اب اس نے اکتساب کی صورت اختیار کرلی، وہ استتار (یعنی پردہ) تھا لیکن اب وہ اشتہار نظر آنے لگا، پہلے وہ صدور کی عمارت تھا اب وہ غرور کا مرکز بن گیا، پہلے وہ تکشف تھا اب تکلف کا جامہ اس نے پہن لیا، پہلے وہ تخلق تھا اب وہ تملق بن گیا، پہلے وہ قناعت تھا اب اس نے حرص کا روپ دھارلیا''۔[1]

اسلام میں تصوف کا نفوذ کیونکر ہوا؟ تعلیمات تصوف کا ماخذ قرآن کریم ہے یا دوسرے علوم وافکار کی طرح یہ بھی بیرونی اثرات کا نتیجہ ہے؟ علماء اسلام ان سوالات کے مختلف حل پیش کرتے ہیں۔بعض کے نزدیک تصوف نبوت کا ایک جز واور باطنی علوم اسلامی کا ایک پہلو ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصریؒ کو پہنچا اور ان سے دوسرے صوفیا کرام کو اس کے برخلاف اکثر مؤرخینِ اسلام کے نزدیک طریقۂ تصوف اسلامی عجمی ویونانی اور ہندی خیالات کے مجموعے سے مرتب شدہ ہے ''ایک معجونِ مرکب'' ہے۔اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ تصوف کے اندر موسوم

---

① صاحبزادہ خورشید گیلانی: روح تصرف، ص۲۷

کیا دونوں حالتیں موجود ہیں اس کی ابتداء ان اسلامی اصولوں کے ساتھ ہوئی جن کو اصطلاح حدیث میں ''احسان'' کے نام سے جاتا ہے لیکن پہلی صدی ہجری کے اواخر میں جب بیرونی علوم نے تعلیمات اسلامی کو متاثر کرنا شروع کیا تو ''احسان'' اسلامی نے یونانی ''نو خلانیت'' اور ہندی ''جوگیت'' کی شکل اختیار کر لی۔

یہ معاملے ہیں نازک جو تیری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی
(اقبالؒ)

تصوف کی ماہیت

یوسف سلیم چشتی کی کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہوا ہے کہ:

''اقوام عالم کے صوفیائے ادب اور صوفیوں کے اقوال کے مطالعے سے یہ بات واضح ہے کہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے تصوف اس اشتیاق کا نام ہے جو ایک صوفی کے دل و دماغ میں خدا سے ملنے کے لیے اس شدت کے ساتھ موجزن ہوتا ہے کہ اس کی پوری عقلی اور جذباتی زندگی پر غالب آ جاتا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صوفی اس (خدا) کو اپنا مقصودِ حیات بنالیتا ہے۔ گفتگو کرتا ہے تو اسی کا خیال کرتا ہے تو اسی کا نام یاد کرتا ہے تو اسی کو کلمہ پڑھتا ہے تو اسی کا، شفق کی سرخی میں، دریا کی روانی میں، پھولوں کی مہک میں، بلبل کی آواز میں، تاروں کی چمک میں صحرا کی وسعت، باغ کی شادابی میں، غرض کہ تمام مظاہر فطرت اور مناظر قدرت میں اسے خدا ہی کوئی جلوہ نظر آتا ہے۔'' ②

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

سمایا ہے تو جب سے نظروں میں میری
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

---

② یوسف سلیم چشتی: تاریخ تصوف، ص ۱

اس لفظ کے 'مادہ' کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے:

تصوف کا لفظ خواہ ''صوف'' سے نکلا ہو یا ''صفا'' سے اس کی نسبت ''صفہ'' کی طرف ہو یا اس کا مادہ ''صف'' ہو یا بقول علامہ لطفی اس کا جوڑ یونانی کلمے ''ییثوصوفیا'' سے ملتا ہو بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اصطلاحی لفظ قرآن، حدیث اور ارشادات صحابہؓ میں نہیں ملتا بلکہ دوسری صدی ہجری کے تیسرے ربع تک اس کا کوئی ذکر امت میں موجود نہیں اس لیے اگر ابن تیمیہؒ اور ابن حزمؒ جیسے لوگ اسے بدعت لفظی کی فہرست میں داخل کر دیں تو کسی کو شکایت نہیں ہونی چاہئے۔ جن اعلیٰ تصورات اور ارفع و اعلیٰ احوال و کوائف کی تعبیر لفظ تصوف سے اسلاف میں کی جاتی رہی ہے وہ اپنی جگہ کیسے ہی برگزیدہ و مقدس کیوں نہ ہوں لیکن یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کی تعبیر کے لیے دوسرے الفاظ استعمال فرماتے ہیں مثلاً احسان، تعبد وغیرہ۔

تصوف کا لغوی مفہوم

"أخذ بصوفة قفاه اذا أخذ بالشعر السائل فی نقرته وصوفة قوم کانوا فی الجاهلية کانوا يخدمون الكعبة ويجيزون الحاج وحكى عن ابی عبيده انهم افناء القبائل تحموا فتشبكوا كما يتشبك الصوف"[۳]

''تصوف'' صوف سے لیا گیا ہے، جیسے محروم کو بیماری کی حالت میں بالوں سے پکڑ لیا گیا۔ اور صوفی زمانہ جاہلیت میں ایک قوم تھی جو کعبہ کی خدمت (حفاظت) وغیرہ کرتی تھی، حاجیوں سے جذیہ وصول کرتی تھی اور ابی عبیدہؓ سے روایت ہے کہ کچھ سرداران آپس میں اس طرح سے ملے جیسے صوف کا تا بانا۔

" صوف جعله صوفيا، تصوف 'صار صوفيا' تخلق باخلاق الصوفية' الصوفية: فئة من المتعبدين واحدهم "الصوفی" وهو عندهم من فانيا بنفسه باقيا بالله تعالىٰ مستخلصاً من الطبائع متصلاً بحقيقة الحقائق"۔[۴]

---

۳ لابی الحسنین احمد بن فارس بن زکریا: مقاییس اللغۃ، ص ۵۵۷

۴ لوئیس مالوف: المنجد، ص ۴۴۱

''صوف سے 'صوفی' بنا ہے۔تصوف،صوفیوں کا طریقہ،صوفیانہ اخلاق پیدا کرنا،صوفیا عبادت گزار جماعت۔ان کا واحد صوفی ہےان کے نزدیک (صوفی) وہ ہے جو اپنے نفس میں فنا ہو جائے اور اللہ کے لیے باقی رہے' طبائع (عادت) میں مخلص رہے اور زندگی کی حقیقت سے متصل رہے۔

تصوف کی اصطلاحی تعریف

دیگر علوم یا فلسفوں کی طرح ''تصوف'' کی جامع و مانع تعریف کرنا ممکن نہیں اس لیے کہ دراصل تصوف کا تعلق احوال و مقامات سے ہے اور یہ ہر وقت متغیر و متبدل ہوتے رہتے ہیں۔لہذا اساطین فن جو حالات و مقامات میں رہے وہ کیفیات ان پر غالب آ گئیں اور انہوں نے اسی کے مطابق تصوف کی تعریف کر دی۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں تصوف کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

> ''اسلامی اصطلاح کے مطابق ''صوفی'' بن کر خود کو متصوفانہ زندگی کے لیے وقف کر دینے کو تصوف کے نام سے تعبیر کریں گے۔'' [۵]

اشرف علی تھانویؒ تصوف کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ''شریعت اس مجموعے کا نام ہے جس میں علم اصلاح ظاہر کو فقہ کہتے ہیں اور علم اصلاح باطن کو تصوف یا علم باطن کہتے ہیں۔'' [۶]

رئیس احمد جعفری کہتے ہیں:

> ''تصوف نام ہے اس ریاضت کا اور ان مجاہدات کا جو قلب کے پردے ہٹا دیں حقائق کا انکشاف کریں۔'' [۷]

ولیم جیمز اپنی کتاب ورائیٹیز آف ریلیجس ایکسپیر مینٹس میں لکھتے ہیں:

> ''تصوف (خواہ وہ کسی انداز کا ہو) کی بنیادی خصوصیت اس کا نا قابل انتقال ہونا ہے

---

۵ اردو دائرہ معارف اسلامیہ:۴/۴۱۸

۶ مولانا اشرف علی تھانوی:التکشف عن مہمات التصوف،ص۱۹

۷ رئیس احمد جعفری:تاریخ تصوف اسلام ص۱۹

تصوف کی صداقتیں اس فرد تک محدود رہتی ہیں جو ان سے کیفیت اندوز ہوتا ہے اسی لیے ان کے دعاوی کسی کے لیے سند نہیں قرار پا سکتے۔''[⑧]

ماحاصل

تصوف نام ہے قلب کو مخلوقات سے مکمل طور پر فارغ کر لینے ،نفسانی خواہشات پر قابو پا لینے حسنِ اخلاق ،روحانی کمالات کے حصول کی کوشش اور اتباع شریعت کے ذریعے وصل الٰہی اللہ کا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں میں پہلا شخص جو صوفی کے لفظ سے مشہور ہوا ابو ہاشم عثمان بن شریک تھا اور صوفیوں کی پہلی خانقاہ ۱۴۰ھ میں رملہ کے قریب (جو فلسطین میں واقع ہے) قائم ہوئی۔ابو ہاشم کوفہ کا رہنے والا تھا وہاں سے اٹھ کر رملہ کی خانقاہ میں آ گیا جہاں ۱۶۰ھ میں اس کا انتقال ہوا اکثر مغربی محققین حارث بن اسد المحاصی (۲۲۵-۱۶۰ھ) کو متقدمین صوفیاء کے گروہ کا سرخیل قرار دیتے ہیں۔

مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف کی اشاعت کے اسباب

''اسلامی تصوف قرآن وحدیث (سنتِ نبوی ﷺ) سے ماخوذ ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں۔① توحید خالص ② تبلیغ دین ③ اتباع شریعت ④ خدمت خلق

چوتھی صدی ہجری کے مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف راہ پا گیا اور یہ تصوف چونکہ عجمی اور غیر اسلامی تھا اس لیے اس کے اجزائے ترکیبی اسلامی تصوف کی ضد تھے یعنی ① شرک ② رہبانیت ③ تخریب دین ④ اباحت مطلقہ ⑤ نفاق اور مداہنت۔''[⑨]

مسلمانوں میں غیر اسلامی یا عجمی تصوف کی اشاعت کے اسباب کیا تھے۔

پہلی بحث

ابتدائے اسلام سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے وسط تک مسلمانوں میں کوئی فرقہ نہ تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مسلمانوں کو حزب اللہ قرار دیا گیا ہے۔

---

⑧ قاضی قدیر الدین: تصوف کی اصل حقیقت، ص ۲۸۸

⑨ یوسف سلیم چشتی: تاریخ تصوف، ص ۹

﴿اولئك حزب الله ط الا ان حزب الله هم المفلحون ﴾ [١٠]

سرکار دو عالم ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہم نے زبانی تعلیم اور اپنے طرز عمل سے یہ بنیادی حقیقت مسلمانوں کے دلوں میں جاگزیں کر دی تھی کہ فرقہ بندی اسلام کی ضد ہے اور مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کے حق میں سمِ قاتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی ﷺ اور عہد خلافت شیخین رضی اللہ عنہم میں کوئی فرقہ موجود نہ تھا۔

متقدمین صوفیا کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ

> ''انہوں نے تصوف کے عقائد اور مسلک کو خود اختراع نہیں کیا تھا بلکہ باطنی طور پر سلسلہ بسلسلہ رسول اللہ ﷺ سے فیض حاصل کیا تھا چونکہ یہ نظریہ ایرانیوں کا پیدا کردہ تھا اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی نمایاں طور پر درمیان میں لایا گیا اور انہیں شاہ ولایت کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ چنانچہ صوفیوں کے مختلف ''شجروں'' کا منتہی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی قرار پاتے ہیں۔'' [١١]

دوسری بحث

مسلمانوں کے ہاتھوں یہود کو جو ذلت نصیب ہوئی اس کی خلش ان کے دل سے کبھی محو نہ ہوسکی چنانچہ مسلمانوں کی طاقت کو ضعف پہنچانے اور اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں یمن کے ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے مدینے میں آکر منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا۔

فرقہ سبائیہ جو عبداللہ بن سبا کے اصحاب ہیں جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''تو، تو ہے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ تو خدا ہے۔ عبداللہ بن سبا پہلا شخص ہے جو امامت علی رضی اللہ عنہ کی فرضیت کا قائل ہوا اور غلاۃ کے مختلف فرقے اسی مخذول شخص کی تعلیمات سے پیدا ہوئے۔ اس کی رائے میں:

- حضرت علی رضی اللہ عنہ مقتول نہیں ہوئے۔
- ان میں الوہیت کے اجزاء میں سے ایک جز موجود تھا۔ اللہ کی شان ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں بہت بلند ہے رعد ان

---

[١٠] المجادلۃ: ٢٢

[١١] تصوف کی اصل حقیقت: ٦١

کی آواز ہے اور برق ان کا تازیانہ ہے۔'' (۱۲)

عبداللہ بن سبا پہلا شخص ہے جس نے مسلمانوں میں فتنہ وفساد کا بیج بویا اور اس نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔

❶ اسلام کے بنیادی عقائد میں غیر اسلامی اور مشرکانہ عقائد داخل کر دیے۔

❷ مسلمانوں کی وحدتِ ملی اور یک جہتی و یک رنگی اور یک نگاہی کو پارہ پارہ کر دیا۔

وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو گیا یعنی اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بنا کر مسلمانوں میں انسان پرستی کا عقیدہ راسخ کر دیا اور تفرقہ پیدا کر کے مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آراء کر دیا۔

تیسری بحث

حضرت جعفر (شیعوں کے چھٹے امام) نے ۱۴۸ھ میں وفات پائی ان کی وفات کے بعد ان کے متبعین میں دو گروہ پیدا ہو گئے، امامیہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ۔ اگر چہ شیعیت ہی کی ایک شاخ ہے مگر جن لوگوں نے اس فرقے کی رہنمائی کی انہوں نے اسے ایک تخریبی تحریک بنا دیا اور آگے چل کر یہ تحریک اپنے معتقدات اور اعمال کے لحاظ سے شیعیت سے بھی کوسوں دور ہو گئی ہے۔ اس فرقے نے شروع سے عبداللہ بن سبا کے غالی عقائد (الوہیت علی رجعت و تناسخ ارواح و حلول) ہی اختیار کر لیے تھے۔

پروفیسر براؤن ایران کی ادبی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

''جو عقائد غلاۃ شیعہ میں مشترک ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

① تشبیہ (خدا کا انسانی شکل میں ظہور)

② حقیقت ایزدی میں تبدیلی (بدا)

③ امام کی واپسی (رجعت)

④ تناسخ (ایک امام کی روح کا دوسرے یعنی جانشین کی شخصیت میں حلول کرنا)'' (۱۳)

ظاہر ہے کہ یہ سب عقائد قرآن کے سراسر خلاف ہیں، اسی لیے مسٹر اسٹینلی لین پول اپنی تصنیف داستان قاہرہ میں لکھتے ہیں۔

''اپنی باطنی روح کے اعتبار سے فاطمینِ مصر کا مذہب محمڈ نزم نہیں ہے۔'' (۱۴)

---

(۱۲) ایضا: ص ۶۲

(۱۳) پروفیسر براؤن: ایران کی ادبی تاریخ، ۱/۳۱۱

(۱۴) اسٹیلنی لین پول: داستانِ قاہرہ، ص ۱۱۳

چوتھی بحث

جس زمانے میں قرامطہ نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں مسلمانوں میں تصوف کا آغاز ہو چکا تھا،مختلف سلسلے قائم ہو چکے تھے۔قرامطہ نے صوفیوں کے حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کوصوفی ظاہر کیا یعنی تصوف کے لباس میں صوفیوں کو گمراہ کرنا شروع کیا اوراسلامی تصوف میں غیراسلامی عقائد کی آمیزش کر کے ایران میں اس غیراسلامی تصوف کی بنیادرکھ دی جو رفتہ رفتہ تمام مسلمانوں میں شائع ہو گیا۔

قرامطہ نے جو غیراسلامی عقائد تصوف کے لباس میں ایرانیوں کے سامنے پیش کیے مثلاً حلول،اتحاد،تجسیم،تناسخ وغیرہ وہ سب ایسے تھے جو قبل اسلام ایران کے مختلف طبقوں میں مروج تھے اس لیے ان لوگوں نے ان عقائد کو بخوشی قبول کرلیا۔

مجلّہ اسلامک کوارٹرلی کے مدیر لکھتے ہیں:

> ''اسماعیلی دعاۃ نے جو پندرہویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوستان آئے صوفیوں کا طریقہ اختیار کیا اور ہندوؤں سے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وشنو کے دسویں اوتار تھے چنانچہ پیر صدرالدین نے اسی حکمت عملی سے کام لے کر بہت سے ہندوؤں کو اپنے مذہب کا پیرو بنایا۔''[۱۵]

سلاسل تصوف میں عام طور پر چار پیر اور چودہ خانوادے گنائے جاتے ہیں۔ پہلا پیر حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسرا پیر خواجہ حسن بصریؒ،تیسرا پیر خواجہ حبیب عجمیؒ اور چوتھا پیر عبدالواحد بن زید کرخیؒ۔

برصغیر پاک و ہند میں صوفیائے کرام کے چار خانوادے زیادہ مشہور ہیں۔

① چشتیہ ② قادریہ ③ سہروردیہ ④ نقشبندیہ

بیکتاشی فرقہ

صوفیوں کے اس فرقے کی تاریخ ڈاکٹر جے کے برج نے اپنی کتاب ''درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ'' میں لکھی ہے۔

> ''اس سلسلے کا بانی حاجی بیکتاش ولی تھا جو ۶۸۰ھ/۱۲۸۱ء میں خراسان (اسماعیلی دعاۃ کے مرکز) سے اناطولیا میں آیا تھا۔اس نے ۱۳۳۷ء میں وفات پائی ترکوں میں اس

---

⑮ مجلّہ اسلامک کواٹرلی:ص ۱۰۵

کے سلسلے کو بہت مقبولی حاصل ہوئی۔''

اس سلسلے کے عقائد حسب ذیل ہیں:

- اللہ حقیقتِ واحدہ ہے
- محمد ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ دونوں اللہ کے خاص ہیں
- اللہ، محمد ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ تینوں میں عینیت کا علاقہ ہے
- محمد ﷺ اور علی رضی رضی اللہ عنہ درحقیقت ایک ہیں یا ایک شخص کے دو نام ہیں [۱۶]

ان عقیدوں سے اس بات کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے کہ اس سلسلے کے صوفیوں کو اسلام سے کتنا تعلق تھا۔

نوربخشی سلسلہ

اس سلسلے کا تذکرہ پروفیسر محبّ الحسن نے اپنی تالیف ''کشمیر زیرِ نگیں سلاطین'' میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

> ''نوربخشیہ فرقے کا بانی سید محمد عبداللہ تھا۔ نوربخش نے دعویٰ کیا کہ مجھے امام جعفر صادقؒ سے روحانی فیض حاصل ہوا ہے۔ اس کی تعلیمات میں شیعہ عقائد کا رنگ نمایاں ہے اس سلسلے کے افراد خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کرتے تھے لیکن نوربخشی نے امام مہدی المنتظر ہونے کا بھی دعویٰ کیا تھا اس لیے شیعہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔'' [۱۷]

قرامطہ نے تصوف کے لباس میں اپنے مسلک کی تبلیغ کی اور تصوف میں ایسے عقائد داخل کر دیے جو قرآنی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

> ''قرامطہ نے ہمیشہ اس اصول پر عمل کیا کہ جیسا دیس ویسا بھیس چنانچہ جب ان کے دعاۃ ہندوستان میں آئے تو انہوں نے ہندو صوفیوں اور جوگیوں اور پیروں کے طور طریقے اختیار کیے اور ہندوؤں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وشنو کے دسویں اوتار کے طور پر پیش کیا۔'' [۱۸]

---

۱۶. ڈاکٹر جے کے بیرج: درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ، ص ۱۳۲، ۱۳۳

۱۷. پروفیسر محبّ الحسن: کشمیر زیرِ نگیں سلاطین، ص ۲۸۳ تا ۲۸۷

۱۸. یوسف سلیم چشتی: اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، ص ۳۰

عقائد

دل طور سینا و فاران دو نیم

تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم

مسلماں ہے توحید میں گرم جوش

مگر دل ابھی تک ہے زنّار پوش

تمدن، تصوف، شریعت، کلام

بتان عجم کے پجاری تمام

حقیقت خرافات میں کھو گئی

یہ امت روایات میں کھو گئی

(اقبالؒ)

فصل دوم

عقائد

جس طرح اربابِ شریعت کے مختلف فرقے ہیں اوران میں باہمی اختلاف ہے اسی طرح صوفیا کے مختلف سلسلوں میں بھی باہمی اختلاف پایا جاتا ہے۔فروعات کے اعتبار سے تو یہ اختلافات بکثرت ہیں لیکن اصولی نقطہ نظر سے انہیں تین شقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، یعنی حلول، وحدت الوجود اور وحدت الشہود۔

❶ حلول

ہندوؤں کے ہاں اوتار کا عقیدہ عام ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ خود ایشور (خدا) مادی مخلوق کے پیکروں میں نمودار ہوتا رہتا تھا چنانچہ ان کے ہاں چیونٹی سے لے کر رام اور کرشن تک اوتار مانے جاتے ہیں یہی عقیدہ مسلمانوں کے ہاں اہل تشیع کے غالی فرقوں میں در آیا۔ چنانچہ سب سے پہلے یہ عقیدہ وضع کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات میں اوران کی اولاد میں حلول کر آیا تھا اس کے بعد نسیریہ، کیسانیہ اور باطنیہ فرقوں میں یہ عقیدہ اور بھی متشدد ہوتا چلا گیا یہیں سے یہ عقیدہ صوفیا کے عقائد میں داخل ہوگیا ان میں حسین بن منصور حلاج اس کا پہلا علمبردار سمجھا جاتا ہے۔اس کا دعویٰ تھا کہ خدا کی ذات اس میں حلول کر گئی ہے اسی وجہ سے وہ انا الحق کا نعرہ بلند کرتا تھا۔ایک عامی سے شعر کے الفاظ میں:

خود رازِ انا الحق کو وہی کھول رہا ہے
منصور کے پردے میں خدا بول رہا ہے

فرانس کے ایک محقق موسیولوئی ماسیون نے حلاج کی کتاب (کتاب الطّواسین) اپنے تشریحی حواشی کے ساتھ شائع کی ہے اس میں حلاج کا جو بنیادی عقیدہ بیان کیا گیا ہے، اس کا ملخص یہ ہے کہ تخلیق کائنات سے پہلے خدا خود اپنی ذات میں گم تھا اس نے اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہا تھا تو آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اس طرح خدا (لاھوت) آدم علیہ السلام (ناسوت) میں حلول کر گیا اور یوں خدا اور انسان ایک ہو گئے۔اس کے اسی کفر کی بنا پر عباسی خلیفہ المقتدر باللہ نے اسے ذی قعدہ ۳۰۹ھ میں بغداد میں قتل کرا دیا اوراس کی لاش جلا کر راکھ دریا میں بہادی۔

یہ عقیدہ اگرچہ عام نہ ہوسکا لیکن بعد میں آنے والے بعض اکابر صوفیا نے منصور کو حق پر قرار دیتے ہوئے مستوجبِ

تحسین وتبریک قرار دیا ہے۔شیخ الکبرا ابن عربی اس کا نام بڑے احترام اور عظمت سے لیتے ہیں۔خواجہ نظام الدین اولیاؒ منصور کی بزرگی کے اس قدر قائل تھے کہ انہوں نے اپنے ملفوظات میں لکھا ہے کہ انہوں نے ایک دن اپنے مرشد سے دریافت کیا کہ سیدی احمد کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا۔

''وہ بزرگ شخص تھے عربوں کا قاعدہ ہے کہ جب کسی کو بزرگی سے یاد کرتے ہیں تو اسے سیدی کہتے ہیں وہ شیخ منصور حسین حلاج کے زمانے میں تھے جب انہیں جلایا گیا اوران کی راکھ دجلہ میں ڈالی گئی تو سیدی احمد نے ذراسی خاک اس میں سے تبرکاً اٹھا کر کھالی تھی یہ ساری برکتیں اسی سبب سے انہیں حاصل ہوئی تھیں۔'' ⑲

یعنی ان حضرات کے نزدیک منصور حلاج کا مقام اس قدر بلند تھا کہ ان کی لاس کی راکھ کی ایک چٹکی کھا لینے سے انسان کو اس قدر بلند مدارج حاصل ہوجاتے تھے۔

کشف المحجوب میں لکھا ہے:

''سرمستانِ بادہ وحدت اور مشتاق جمال احدیت گزرے ہیں اور نہایت قوی الحال مشائخ میں سے تھے۔'' ⑳

حلاج کی تصنیف کتاب الطّواسین صوفیہ کے حلقوں میں برابر متداول بھی ہے پروفیسر یوسف سلیم چشتی حلاج کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

''میں تو وہی ہوں جسے میں چاہتا ہوں یا محبت کرتا ہوں اور وہ جس سے میں محبت کرتا ہوں میں ہوں۔ہم روحیں ہیں جو ایک ہی جسم میں رہتی ہیں اگر تو مجھے دیکھتا ہے تو گویا اسے دیکھتا ہے اگر تو اسے دیکھتا ہے تو گویا ہم دونوں کو دیکھتا ہے۔'' ㉑

اس قول پر پروفیسر صاحب نے حاشیہ دیا ہے:

''قارئین دھوکہ نہ کھا جائیں یہ وحدۃ الوجود نہیں ہے بلکہ حلول یا اتحاد ہے کیونکہ حلاج

---

⑲ بریاں: فوائد الفوائد،ص ۳۴۸

⑳ سیدعلی ہجویری: کشف المحجوب، ۱/۳۰۰

㉑ تاریخ تصوف،ص ۲۶۵

بار بار دوئی کا اعلان واعتراف کر رہا ہے وحدۃ الوجود کی رو سے روئی محال ہے کیونکہ لا موجود فی الحقیقۃ الا اللہ یہ کائنات اسکی تجلیات کا دوسرا نام ہے"۔ (۴۲)

۲ وحدت الوجود

حلول کا عقیدہ بدیہی طور پر کفر دکھائی دیتا تھا اس لیے وہ تو عام طور پر مستور رہا لیکن اسے شیخ اکبر ابن عربی نے ایک بڑی مغالطہ آفریں مشکل میں پیش کیا اور وحدت الوجود کا نظریہ کہا جاتا ہے عام فہم الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں کوئی شے اپنا وجود نہیں رکھتی جو کچھ نظر آتا ہے سب خدا ہی ہے یعنی خدا ہر شے ہے اور ہر شے خدا ہے۔ ابن عربی تصوف کی تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں کیونکہ ان کا وضع کردہ یہ عقیدہ تصوف کی روح سمجھا جاتا ہے اور قطع نظر ان کے جو اسے اعلانیہ اختیار کرتے ہیں جو اس سے بظاہر اختلاف کرتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں اس سے متاثر نظر آتے ہیں قیامت بالائے قیامت کہ وہ وحدۃ الوجود کے عقیدہ کی سند بھی قرآن کریم سے پیش کرنے کی جرات کرتے ہیں۔

سورہ طٰہٰ میں زمین کے متعلق کہا گیا ہے

﴿منھا خلقنکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃً اُخریٰ﴾ (۴۳)

"ہم نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے بارِ دیگر نکالیں گے۔"

ابن عربی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ہم سب احدیت سے نکلے تھے فنا ہو کر پھر احدیت میں جا چھپیں گے پھر بقا ملے گی اور دوبارہ نمودار ہوں گے۔" (۴۴)

وحدت الوجود سے مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں کوئی شے اپنا وجود نہیں رکھتی وجود صرف خدا کا ہے اس لیے ہر شے خدا بھی ہے اسے "ہمہ اوست" بھی کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب سب خدا ہی ہے تو پھر مختلف اشیاء، مختلف افراد، حتیٰ کہ مختلف عقائد میں تفریق وتمیز کا تصور بھی غلط ہے۔ رام بھی وہی ہے رحیم بھی وہی ہے یہ تفریق کس طرح مٹ جاتی ہے اس کے لیے ابن عربی کا ایک قول پیش کر دینا کافی ہوگا پس فرعون کو ایک طرح سے حق تھا کہ کہے "انا ربکم الاعلیٰ" کیونکہ فرعون ذاتِ حق سے جدا نہ تھا

(۴۲) تاریخِ تصوف، ص ۲۵۶

(۴۳) طٰہٰ: ۲۰:۵۵

(۴۴) ابن عربی: فصوص الحکم، ص ۸۰

اگر چہ اس کی صورت فرعون کی سی تھی۔''[۲۵]

وہ فتوحاتِ مکیہ میں اشعار کی زبان میں (جن کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے) کہتے ہیں۔

- پروردگار بھی حق ہے اور بندہ بھی حق کاش میں معلوم کرسکتا کہ ان میں سے مکلّف کون ہے۔
- اگر تم کہو کہ مکلّف بندہ ہے تو وہ مردہ ہے اگر تمہارا کہنا یہ ہے کہ مکلّف رب ہے تو وہ مکلّف کیسے ہوسکتا ہے۔''[۲۶]

وہ اپنے رسائل (الجبلاۃ) میں اس کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> ''کاش مجھے معلوم ہوتا کہ مکلّف کون ہے کیونکہ کائنات میں خدا کے سوا کسی کا وجود بھی نہیں۔''[۲۷]

علی حزیں نے کہا ہے کہ ''تصوف'' برائے شعر گفتن خوب است'' چنانچہ وحدت الوجود جیسا رنگین عقیدہ جب شاعروں کے ہتھے چڑھا تو انہوں نے وہ گل کھلائے کہ توبہ بھلی، ہماری فارسی اور اردو شاعری کی لطائف نگاری اسی عقیدہ کی رہینِ منت ہے مولانا روم کی مثنوی تو ہے بھی وحدت الوجود کا دفترِ بے پایاں، فارسی کے دیگر شعراء کا بھی کم وبیش یہی حال ہے۔عہدِ حاضر کے ایک بزرگ عارف لاہوری نے اپنی کتاب ''اصول تصوف'' میں لکھا ہے کہ

> ''جاننا چاہئے کہ دائرہ ثانی قلب کی رسائی سے پہلے توحید کی بات کرنا اور وحدۃ الوجود کا اعتقاد رکھنا شریعت کے بالکل برخلاف ہے۔کیا تم دیکھتے نہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے توحید وجود کے لیے دعوت نہیں دی ہے بلکہ احکامِ شریعت کے لیے جو کتاب وسنت پر موقوف ہیں اور باطل معبودوں کی نفی بھی کرتے ہیں اور عبادت کے لیے صرف معبود حقیقی کو یگانہ قرار دیتے ہیں۔''[۲۸]

---

[۲۵] ابن عربی: فصوص الحکم، ص۸۰

[۲۶] تصوف کی اصل حقیقت، ص۷۲

[۲۷] ایضاً

[۲۸] سید احمد عروج قادری: تصوف اور اہل تصوف، ص۳۱۴

وحدت الوجود کے اہم ماخذ

جب یہ کہا جاتا ہے کہ وحدت الوجود کا نظریہ دیگر اقوام کے مابعد الطبعیاتی فلسفہ سے ماخوذ ہے تو اربابِ تصوف بہت چراغ پا ہوتے ہیں اور اسے ایک الزام بے جا اور تصرف دشمنی قرار دے کر رد کر دیتے ہیں۔

الطاف احمد اعظمی نے اس سلسلے میں بے لاگ تحقیق کی تو اس خیال کو بڑی حد تک صحیح پایا وہ لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ بعض جزئی اختلافات سے قطع نظر، وحدت الوجود کا نظریہ دوسری قوموں سے لیا گیا ہے۔ یہ سراسر ایک خارجی چیز ہے اس کا ظاہر و باطن دونوں غیر اسلامی عناصر سے مرکب ہیں۔ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ یہ نظریہ بہت پہلے موجود تھا اس نظریہ کے اصلی ماخذ ویدانت اور نوفلاطونیت ہیں۔''[۴۹]

وحدۃ الوجود کا نظریہ اصطلاحات وتعبیرات سے قطع نظر تمام تر انہی دو غیر اسلامی تصورات سے ماخوذ ہے۔

۳ وحدت الشہور

ابن عربی کے عقیدہ وحدت الوجود کے مقابل، شیخ علاؤ الدین ممنانی نے وحدت الشہود کا عقیدہ وضع کیا۔ ہندوستان میں اس کی شہرت مجدد الف ثانیؒ امام سرہندی کے ذریعے عام ہوئی۔ اسے ''ہمہ اوست کی بجائے ''ہمہ از اوست'' کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ وحدت الوجود سے مراد یہ ہے کہ کائنات میں کوئی شے اپنا وجود نہیں رکھتی جو کچھ عالمِ محسوس میں ہے سب خدا ہے حتیٰ کہ انسان بھی خدا ہے۔

اس کے برعکس وحدت الشہود کی رُو سے کہا جاتا ہے کہ

- ''کائنات خود خدا تو نہیں لیکن اس کا ظل یا سایہ ہے۔''

اس سے واضح ہے کہ یہ نظریہ کائنات اپنا الگ وجود نہیں رکھتی وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں میں مشترک ہے وحدت الوجود کی رو سے کائنات خود خدا ہے اور وحدت الشہود کے مطابق خدا کا سایہ۔

- ''جہاں تک انسان کا تعلق ہے اس کی روح، روحِ خداوندی کا جز تو نہیں لیکن انسان کشف و وجدان کے ذریعے ایسی بلندیوں تک پہنچ جاتا ہے جہاں اس کی ذات، ذاتِ خداوندی میں مدغم ہو جاتی ہے اسے ''فانی فی اللہ باقی باللہ'' کی

---

۴۹ الطاف احمد اعظمی: وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ، ص ٢٦

اصطلاح تعبیر کیا جاتا ہے"۔ [۳۰]

غالب کے الفاظ میں:

؎ عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

وصال اور عرس

جس کے معنی واصل بالحق ہو جانے کے ہیں یعنی انسانی ذات کا ذاتِ خداوندی سے مل جانا۔ ان بزرگوں کے یومِ وفات کی تقریب کو عرس کیوں کہا جاتا ہے؟ عیسائی تصوف میں راہبات (nuns) تجرد کی زندگی بسر کرتی ہیں ان کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ ان کی شادی خدائے مسیح کے ساتھ ہو جاتی ہے اسی جہت سے انہیں عروس مسیح کہتے ہیں۔ وہیں سے یہ اصطلاح اور تصور ہمارے تصوف میں آ گئے اسی نسبت سے صوفیاء کی وفات کو وصال اور اس کی تقریب کو عرس کہا جاتا ہے۔ لعل شہباز قلندر کے ملنگ، ناک میں نتھ اور گلے میں گانی پہنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا ہمارا خاوند ہے اور ہم اس کی بیویاں، وارث شاہی دلہنوں (یعنی ملنگوں) کا بھی یہی انداز اور سراپا ہوتا ہے۔

"وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں بنیادی طور پر دو باتیں نزاعی ہیں۔ پہلی بات وجود کی غیریت اور عینیت کا مسئلہ ہے اور دوسری نفی خودی۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے نظریات ایک دوسرے کی ضد اور باہمی متخالف قرار دیے جاتے ہیں اور ان کے ماننے والوں میں اکثر مباحثہ اور مجادلہ جاری رہتا ہے۔" [۳۱]

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ان دونوں نظریوں میں مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن اس مفاہمت کی شکل یہ تھی کہ انہوں نے ان دونوں نظریات کے متعلق یہ فیصلہ دیا کہ "پہلے مذہب کا نام وحدت الوجود ہے اور دوسرے کا نام وحدت الشہود اور ہمارے نزدیک دونوں مکاشفے صحیح ہیں۔" [۳۲]

ایک بحث کے آخر میں شاہ ولیؒ اللہ کہتے ہیں:

"یہ کہنا کہ حقائق ممکنات دراصل عکوس وظلال ہیں جو اعدام متقابلہ میں ارتسام پذیر

---

[۳۰] تصوف کی اصل حقیقت، ص۹۳

[۳۱] وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ، ص۲۸

[۳۲] تصوف کی اصل حقیقت، ص۱۰۰

ہوتے ہیں کسی طرح بھی شیخ ابن عربی کی تصریحات کے خلاف نہیں ہے۔'' [۴۳]

بہر حال واقع یہ ہے کہ صوفیاء کے ہاں یہ دونوں نظریات، مروج اور متداول ہیں اور ہماری بصیرت کے مطابق دونوں قرآنی تعلیم کے خلاف قرآنِ کریم کی رو سے نہ تو کائنات کی ہر شے خدا ہے اور نہ ہی انسانی ذات کا مآل ذاتِ خداوندی میں فنا ہو جانا اس قسم کے نظریات ذہن انسانی نے تراشیدہ ہیں اور اسلام میں خارجی اثرات کا نتیجہ۔

---

[۴۳] وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ، ۹۱

فصل سوم

شریعت وطریقت کی علیحدگی

رہبانیت کی زندگی کو اسلام میں ایک صدی بھی نہ گزرنے پائی تھی کہ تصوف میں ترکِ دنیا ورزہد خشک کے ردعمل کے اثرات نمایاں ہونے شروع ہوئے۔ حد سے تجاوز کرنے والے ہر فعل کے نتائج ضرر رساں اور فتنہ زا ہوتے ہیں اسی لیے اسلام نے اعتدال کو پسند کیا۔

اسلام میں مزامیر کی حرمت

اسلام ایک متحرک اور عمل افزاء دین کا نام ہے اس لیے ہر وہ چیز اس کے نزدیک حرام ہے جو عمل سے محروم کردے اور جو قلوب میں جوش پیدا کرنے کی بجائے سکون وآرام پہنچائے اور دلوں سے جہاد کی حرارت کو سرد کردے۔ ایک مجاہد کی زندگی کا پورا پروگرام ''حربی'' ہے اس لیے ایسے مذہب میں سرور ونغمہ کی کوئی گنجائش نہیں جو قوت عمل کے لیے سب سے زیادہ مہلک ہے۔

یہ زوردست وضربت کاری کا ہے تمام
میدان جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ

(اقبالؒ)

اسی لیے رسول کریم ﷺ نے مزامیر کے مٹانے کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کو ترنم کے ساتھ نہ پڑتے تھے۔ لیکن جب عرب میں دولت وثروت کی کثرت ہوئی لونڈیوں اور کنیزوں سے کوئی گھر خالی نہ رہا، فارس وروم کی دیکھا دیکھی ان میں بھی گانے کا چسکا پڑا اور مغنیوں کو اپنی زبان کے اشعار یاد کرا کے عود وطنبور اور تار مزامیر کے ساتھ ان کو سننے لگے اور خود مدینہ منورہ میں نشیط فارسی، اور مصائب جاثر جیسے مغنیوں نے دھوم مچادی، پھر انہی لوگوں میں سے بنو عباس کے عہد میں ابراہیم بن المہدی ''ابراہیم موصلی اور اسحاق وغیرہ نے فن موسیقی کو عروج کمال پر پہنچنا''[۳۳]

خانقاہوں میں رقص وسرود کی آمد

پھر جب درباروں اور خانقاہوں میں ربط پیدا ہونے لگا اور فقراء درباروں میں جانے لگے اور بادشاہ حسن عقیدت کی

---

(۳۳) ابن خلدونؒ: مقدمہ ابن خلدون، ص ۲۷

وجہ سے خانقاہوں میں فاتحہ خوانی اور ''حصول برکت'' کی غرض سے درباروں میں حاضری دینے لگے تو موسیقی کو جو ابتداء میں درباروں کے لیے مخصوص تھی خانقاہوں میں داخلہ ملا پہلے نعت رسول ﷺ اور توحید الٰہی اور حقائق روحانی پر اشعار خوانی کا آغاز ہوا اس کے بعد رفتہ رفتہ مزامیر کے تمام اقسام قوالی اور سماع کے پردے میں خانقاہوں میں عام ہو گئے۔

اس کے بعد ناچنا، کودنا، رقص و پا کوبی خود بخود سماع میں شامل ہو گئے اور عمدہ اشعار سے متاثر ہو جانا اور ''نشۂ شوق'' میں سرمست ہو کر حال لے آنا اور رقص کرنا واجبات سماع میں داخل ہو گئے۔

طبع مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ قوالی سے کچھ کمتر نہیں علم کلام

(اقبالؒ)

علامہ ابن جوزیؒ ''تلبیس وابلیس'' میں ابوالحسن مدارج کا مندرجہ ذیل عبرت انگیز واقعہ اسی کے الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''میں نے یوسف بن حسین کی بہت تعریف سنی تھی محض ان کی ملاقات کے لیے بغداد سے رے کو روانہ ہوا وہاں پہنچ کر بڑی محنت سے وہ مسجد تلاش کی جس میں وہ رہتے تھے دیکھا صوفی صاحب محراب میں بیٹھے ہیں اور تلاوت کر رہے ہیں میں نے سلام کیا انہوں نے جواب دیا اور پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا بغداد سے صرف آپ کی زیارت کو حاضر ہوا ہوں! کہنے لگے گانا بھی آتا ہے؟ میں نے اقرار کیا اور شعر سنایا شعر سنتے ہی شیخ صاحب نے قرآن بند کر دیا اس قدر روئے کہ ریش مبارک بھیگ گئی کافی دیر کے بعد بولے:

بیٹا ''رے'' کے لوگ مجھے زندیق کہتے ہیں حالانکہ میں نماز فجر کے بعد سے یہاں بیٹھا تلاوت قرآن میں مصروف ہوں یہ سچ ہے کہ قرآن سے میری آنکھیں پرنم نہیں ہوتیں لیکن تمہارے شعر نے مجھ پر قیامت ہی ڈھادی۔''[۳۵]

---

[۳۵] علامہ ابن جوزیؒ: تلبیس ابلیس

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کس حد تک قرآن کریم سے بے توجہی اور سماع وقوالیوں سے دلچسپی صوفیاء میں پیدا ہو چکی تھی چند بزرگانِ دین کو چھوڑ کر عام خانقاہوں میں یہی کیفیت اب تک پائی جاتی ہے۔

شریعت وطریقت

ان تمام خرافات و بدعات کا سبب یہ ہے کہ ان طریقوں کو ''طریقت'' کے نام سے موسوم کر کے ''شریعت سے علیحدہ ایک مستقل نظام سمجھ لیا گیا۔صوفیاء کی ایک بڑی جماعت نے شریعت کا مقصود بنیادی اصلاح قرار دیا اور روحانی ارتقاء ونجات اخروی کے لیے ان کے خیال میں ایک دوسرا راستہ ہے جس کو وہ ''طریقت'' کے نام سے پکارتے ہیں اس لیے ان کے یہاں شریعت کا کوئی احترام نہیں، وہ جو کچھ سمجھتے ہیں طریقت کو۔

طریقت وشریعت آپس میں لازم وملزوم ہیں نہ کہ ایک دوسرے سے جدا''شریعت کا نام ہے التزام حکم عبودیت کا اور حقیقت نام ہے مشاہدہ ربوبیت کا، پس جس شریعت کو حقیقت کی تائید حاصل نہیں وہ غیر مقبول ہے اور جو حقیقت قید شریعت کی پابند نہیں وہ بے حاصل ہے۔'' [۳۶]

اسی طرح حضرت جنید بغدادیؒ اکثر فرماتے تھے:

> ''جو شخص حافظ کلام الٰہی و عالم حدیث رسول ﷺ نہیں اس کی تقلید دوبارہ طریق درست نہیں، اس لیے کہ ہمارے اس سارے علم (التصوف کا) ماخذ قرآن وحدیث ہیں۔'' [۳۷]

قبر پرستی

جو نظام غیر فطری بنیادوں پر قائم ہوتا ہے اس ہر عنصر فساد وفتن سے پُر اور بے شمار عیوب پر مشتمل ہوتا ہے۔اسلام میں شریعت وطریقت کی باہمی علیحدگی رہبانیت کے اختیار کرنے اور سمع ورقص کو نصب العین بنانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار غیر اسلامی رسومات و بدعات مسلمانوں میں رائج ہو گئیں۔ان تمام بدعات کی بنیاد یہ تھی کہ مسلمان افراد نے اپنے ہی جیسے دوسرے مجبور انسانوں کو معبود ومسجود بنالیا انہوں نے اپنے رہبان واحبار کو وسیلہ شفاعت سمجھ لیا۔

---

[۳۶] عبدالماجد دریا آبادی: تصوف اسلام، ص ۷۱

[۳۷] ایضاً، ص ۶۹

کشف وکرامات کا سودا

اسلام نے معجزہ کرامت اور خوارق عادات کے ظہور کو تسلیم کیا ہے لیکن جس طرح معجزہ پیغمبری کے لیے شرط لزوم نہیں تھی اسی طرح کسی ولی کے لیے بھی صاحب کرامات ہونا ضروری نہیں۔ کرامت دکان تصوف پر ''ارزاں'' ہے شعبدوں اور عجوبوں کی دنیا کا تذکیہ وتصفیہ کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

''امیر ابوالکلام فرمایا کرتے تھے اگر کوئی شخص ہماری مجلس میں اس صحرا نورد کی طرح سکون محسوس کرتا ہے جو انتہائی گرمی کے موسم میں کسی درخت کے سائے میں پہنچ کر اپنے تن بدن کی راحت محسوس کرتا ہے تو اسے ہماری صحبت مبارک ورنہ وہ دوسری جگہ چلا جائے کیوں کہ ہمارے ہاں کشف وکرامات کی دنیا میں بلکہ عالم الوندی ہے۔'' [۳۸]

رہا نہ حلقہ صوفی میں سوز مشتاقی
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

ابن بطوطہ نے یہاں صوفیوں کے آگ پر لوٹنے اور رقص کرنے کے بہت سے چشم دید واقعات کو قلم بند کیا ہے لیکن امام ابن تیمیہؒ نے جو ابن بطوطہ کے ہم عصر تھے اس راز کو ظاہر کیا کہ ان لوگوں کے پاس ایک روغن ہے جس کو بدن پر مل لینے سے آگ اثر نہیں کرتی۔ اس لیے آپ نے ان تمام صوفیاء سے مناظرہ کیا اور ان کو چیلنج دیا کہ اگر وہ غسل کر کے آگ میں داخل ہو کر صحیح سلامت نکل آئیں تو میں بھی وہی سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' [۳۹]

اس طرح تمام شیوخ رفاعی نادم ہوئے اور اپنے گناہوں سے توبہ کی امام ابن تیمیہؒ نے اس رسالہ میں جس میں اس مناظرے کا حل لکھا ہے اپنے زمانے کے صوفیاء کی بہت سی حیرت افزا شعبدہ بازیوں کا ذکر کیا ہے جن میں اسی طرح کے بہت سے راز ہائے سربستہ شامل تھے اور جن کا انکشاف مختلف طریقوں سے ہوا۔

---

۳۸ شاہ ولیؒ اللہ: انفاس العارفین، ص ۷۰

۳۹ علامہ عبدالوحید خاں: مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان، ص ۴۹۷

حسرت حیدر آبادی لکھتے ہیں:

زعمِ باطل کی تجھ کو مستی کب تک
نادان یہ ادعائے ہستی کب تک
تو بھی موجود اور حق بھی موجود
ظالم یہ شرک و خود پرستی کب تک

موجودہ رسم بیعت کا بنیادی عقیدہ

آج کل رسم ''بیعت'' کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ

''خدا تک پہنچنے کے لیے ایک وسیلہ کی ضرورت ہے اور اللہ کی ذات میں فنا ہو جانا بھی انسان کا اصل نصب العین ہے اس لیے اس منزلِ فنا تک پہنچنے کے لیے پیر کی تلاش ضروری ہے جو اس منزل تک لے جانے کا واحد وسیلہ ہے چونکہ پیر راہ و رسم منزل سے باخبر اور رموز و اسرار کی حقیقت سے آگاہ ہے اس لیے کلی طور پر اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینا (فنافی الشیخ ہو جانا) ہی عین سعادت ہے جیسا کہ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید کہ
سالک بے خبر ہنود زراہ ورسم منزلھا

شاہ ولیؒ اللہ لکھتے ہیں کہ

''ایک وقت آیا جب خلفاء میں بیعتِ خلاف کی رسم ختم ہو گئی تو صوفیاء نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اپنے مریدوں سے بیعت لینے لگے اور انہوں نے اس سنت کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔'' (۴۰)

---

(۴۰) شاہ ولیؒ اللہ: تصوف کے آداب واشغال اور ان کا فلسفہ، ص ۴۴

دورِ جدید کے چیلنجز

فصل اوّل

دہشت گردی اور عالم اسلام

فصل دوم

تہذیبوں کا تصادم

فصل سوم

نیو ورلڈ آرڈر اور عالم اسلام

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں

بے یدِ بیضاء ہے پیرانِ حرم کی آستیں

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف

ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں

حافظِ ناموسِ زن، مرد آزماء مردِ آخریں

دورجدید کے چیلنجز

امتِ مسلمہ آج جن مسائل سے دو چار ہے، ان سے کون ذی شعور شخص نا واقف ہوگا؟ اس حوالے سے جذبات، تاثرات، تحریریں اور پھر مذاکرات اور کانفرنسوں کے ذریعے تجاویز اور آراوقتاً فوقتاً سامنے آتی رہتی ہیں۔لیکن یہ صورت حال جس قدر گھمبیر، پیچ الجھاؤ سے دوچار اور ہمہ جہت قسم کی ہے، اس اعتبار سے شاید غور وفکر کا حق ابھی تک ادا نہیں ہوسکا جس کا قرض اس امت کے ذمہ باقی ہے۔اور معاملے کی نوعیت کے پیش نظر امور کے بارے میں مزید غور وفکر ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری اور فوری ضرورت ہے۔

یہ امور اپنی اہمیت کے پیش نظر اور موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم ان کے بارے باہم مل کر مشترکہ موقف دنیا کے سامنے پیش کریں۔میری دانست میں ان امور پر اہل دانش کے درمیان صحیح اور خالص اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مکالمہ فوری ضرورت ہے اور اس کے لئے رسمی کانفرنسیں اور سیمینار قطعاً ناکافی ہوں گے۔کیونکہ تجربہ بتاتا ہے کہ اسطرح کے اجتماعات میں سنجیدہ موضوعات پر طویل بحثیں تو کی جاتی ہیں مگر انہیں نکات کی شکل دینا اور حتمی نتائج مرتب کرنا ''کارے دارد'' کا مصداق ہوتا ہے۔اس لیے سنجیدہ اور چنیدہ اہل علم اور دانشوروں کا خواہ ابتدائی سطح پر اور محدود پیمانے پر ہی ہو، مل بیٹھ کر ان امور پر غور کرنا اور پھر مشترکہ رائے کا اظہار ضروری ہے جس کے لیے کوئی بھی قابل عمل صورت متعین کی جاسکتی ہے۔ اس بنا پر ان عنوانات وتفاصیل میں ہر طرح کا اضافہ ممکن عین ہے۔ان سطور کی حیثیت محض ایک پتھر کی ہے جسے خاموش جھیل میں ارتعاش پیدا کرنے کے لیے پھینکا جاتا ہے۔

فصل اوّل

دہشت گردی اور اسلام

دور جدید میں مسلم امہ کو بے شمار چیلنجز کا سامنا ہے، لیکن یہاں ہم چند مسائل کا ذکر کریں گے۔

یہ سامراجی طاقتوں کی پرانی عادت ہے کہ جب ان کے ظلم وستم کی چکی میں پسے ہوئے طبقات ان کے خلاف کوئی آواز بلند کرتے یا ان کے شکنجے سے رہائی کی کوشش کرتے تو ان کے لیے مختلف حقارت آمیز نام تجویز کیے جاتے ہیں اور انھیں اس شدت کے ساتھ پھیلایا جاتا ہے کہ مظلوم ظالم نظر آنے لگتا ہے اور ظالم مظلوم۔ آج کی عالمی فضا میں مغربی حکومتوں میں ''دہشت گرد''،''شدت پسند'' اور ''انتہا پسند'' کی مبہم اصطلاحات ان تمام لوگوں کے لیے وضع کی ہیں جو مغربی ممالک کی زورزبردستی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں اور بلا امتیاز تمام مسلمانوں کے لیے بڑے پیمانے پر اسطرح استعمال کیا جارہا ہے کہ یہ الفاظ امریکی پالیسی سے اختلاف کرنے والے مسلمانوں کی ایک علامت بن کر رہ جائیں۔ چنانچہ جہاں کہیں کوئی مسلمان تنظیم امریکی پالیسیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہے، خواہ وہ کتنی پرامن کیوں نہ ہو اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اسکو ''شدت پسند یا انتہا پسند'' کا خطاب ضرور دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف جو لوگ مذاکرات کے تمام دروازے بند کر کے رات دن ہزاروں نہتے شہریوں پر بموں اور میزائلوں کی بارش کر رہے ہیں، جنھوں نے ہسپتالوں اور مسجدوں تک کو کھنڈر بنا دیا ہے، بستیوں کی بستیاں اجاڑ دی ہیں وہ سب ''اعتدال پسند'' ہیں اور وہ لوگ بھی جو انھیں شاباش دے رہے ہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ انھیں ''شدت پسند'' کہہ سکے۔

امت مسلمہ کے فکری مسائل میں عصر جدید حوالے سے سب سے اہم مسئلہ فلسفہ جہاد کی غلط تعبیرات اور تشریحات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب پوری دنیا میں مسلمانوں کے لیے دہشت گردی کی اصلطلاح عام طور پر استعمال ہونا شروع ہوگئی ہے۔

لغوی مفہوم

دہشت گردی ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے معنی ومفہوم کے بارے میں مختلف قسم کی آرا پائی جاتی ہیں۔ اس کا معنی و مفہوم ابھی تک متعین نہیں کیا جاسکا۔ تاہم مختلف لغات میں اس کے معنی مندرجہ ذیل ہیں دہشت کا لفظ دہش سے نکلا ہے۔

دھش ، یدھش ، دھشاَ ۔

جامع اللغات میں دہشت کے معنی یوں بیان کیے گئے ہیں۔

دہشت: ڈر، خوف، ہیبت، ھول، بیم، باک، ھراس

صفت: دہشت انگیز، ڈرا ہوا، سہا ہوا، خوفزدہ، دہشت زدہ، دہشت ناک، خوفناک، ہیبت ناک، جس سے ڈر لگے۔ ①

مصباح اللغات میں دہشت کا معنی ہے متحیر ہونا

صفت: دہشت، مدہوش ودہشان ②

مجموعہ لغات عربی میں دہشت کا معنی یہ ہے

حیران: جس کی عقل جاتی رہی ہو، حیران وپریشان ہونا۔ ③

Webster's Dictionary میں دہشت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

A terrorizing use of terror and violence to intimidate, subjugate etc, especially as a political weapon so produced ④

اصطلاحی مفہوم:

دہشت گردی اصطلاح کے طور پر استعمال ہونے والا لفظ ضرور ہے مگر اس کی تعریف ابھی تک جامع انداز میں سامنے نہیں آسکی۔ مختلف ماہرین علوم نے اس کی تعریف کرتے ہوئے الگ الگ عناصر شامل کیے ہیں۔ وقت اور جگہ کے ساتھ ساتھ اس کے تعریفی الفاظ تبدیل ہوتے رہتے ہیں لیکن ان میں ایک بات مشترک ہے وہ یہ ہے کہ اس عمل میں تشدد اور تباہی کے ذریعے سیاسی مقاصد کا حصول اصل روح ہے۔ دہشت گردی کی ایک سادہ سی تعریف یوں ہوسکتی ہے:

---

① خواجہ عبدالمجید: جامع اللغات ۳/۹۹

② مصباح اللغات، ص ۳۳۹

③ مجموعہ لغات، ص ۳۲۴

④ Websteo's New world dictionary of American Pg. 2167

''دہشت گردی ایک ایسا فعل ہے جس میں بڑی منصوبہ بندی اور سوچ بچار کے بعد تشدد اور تباہی کا مخصوص راستہ اپنایا جاتا ہے تاکہ خاص سیاسی، مذہبی یا لسانی ونسلی مقاصد حاصل کیے جاسکیں۔ اگر یہ فعل مالی مقاصد حاصل کرنے کے لیے کیا گیا ہوگا تو ایجنسی مذکور یا ریاست کو بھاری مالی نقصان سے دوچار کردے گا''۔ ⑤

انسائیکلوپیڈیا آف بریٹنکا کے مطابق دہشت گردی کی تعریف کچھ یوں ہے:

"The systematic use of terror or unpredictable violence against governmnets publics, or individuals to attain & political objective." ⑥

جناب جاوید احمد غامدی صاحب نے دہشت گردی کی تعریف ان الفاظ میں کی تھی:

''غیر مقاتلین کی جان، مال، آبرو کے خلاف غیر اعلانیہ تعدی دہشت گردی ہے۔'' ⑦

نوم چومسکی نے بھارت میں فرنٹ لائن کے سیمینار میں اس موضوع پر بڑی کھری کھری باتیں کیں۔

''دہشت گردی تشدد، یا تشدد کی دھمکی کا نپا تلا استعمال ہے۔ جو دباؤ ڈال کر اور جبراً خوف پیدا کر کے سیاسی، مذہبی یا نظریاتی نوعیت کے اہداف حاصل کرنے کے لیے کیا جائے۔'' ⑧

مولانا وحید الدین خان نے دہشت گردی کی تعریف یہ کی ہے کہ

''دہشت گردی اس مسلح کاروائی کا نام ہے جو کسی غیر حکومتی تنظیم نے کی ہو۔ یہ غیر حکومتی تنظیم خواہ کوئی بھی عذر پیش کرے مگر ہر حال میں ناقابل قبول ہوگا۔'' ⑨

---

⑤ انعام الحسن سحری: دہشت گردی ص۴۰

⑥ Encyclopedia of Britanica, vol: 11, Pg. 650

⑦ محمد مشتاق احمد: دہشت گردی کی تعریف: ماہنامہ اشراق جلد نمبر ۱۴ شارہ نمبر ۳۰، ص ۷۳

⑧ ارشاد احمد حقانی: کیا چومسکی انسان سے مایوس ہو رہے ہیں: روزنامہ جنگ لاہور

⑨ وحید الدین خان: دہشت گردی کیا ہے؟ ماہنامہ تذکیر

مختصر یہ کہ ہر مفکر نے دہشت گردی کی تعریف ایک مختلف انداز میں کی ہے۔ جس کی وجہ سے اسکی تعریف پر ابھی تک اتفاق نہیں ہوسکا تاہم سیاسی مقاصد کے لیے جارحانہ حملے کا مفہوم اس میں پایا جاتا ہے۔ عام طور پر اس سے یہی مراد لی گئی ہے۔

دہشت گردی کے اسباب

دہشت گردی کے کیا اسباب ہیں؟ اصل مسئلہ ان اسباب کی کھوج اور ان کی اصلاح ہے جن کے نتیجے میں دنیا کے بیشتر علاقوں میں بشمول امریکہ اور یورپ بغاوت اور بے چینی کی لہریں اٹھ رہی ہیں اور مظلوم انسان اپنی جان پر کھیل جانے کیلیے مجبور ہو رہے ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ بموں، میزائلوں اور انسانی بستیوں پر آگ برسانے سے نہیں لڑی جاسکتی یہ جنگ تو اسی نوعیت کی جنگ ہے جو غربت، افلاس، بیماری، اور جہالت جیسے فتنوں کے خلاف لڑی جاتی ہے یہ غصہ اور طاقت سے نہیں حکمت اور تدبیر سے لڑی جاتی ہے۔

انسانی مسائل کی گرہ کشائی کا راستہ ترک کر کے بعض عسکری قوت سے جب بھی انسانوں کو دبانے کی کوشش ہوئی ہے وہ ناکام رہی ہے۔ تشدد کو بڑھانے اور ظلم میں اضافہ کرنے کا اس سے زیادہ مؤثر کوئی اور طریقہ نہیں کہ انتقام کی آگ میں جل کر عوامی تحریکوں کو قوت سے کچلنے کی کوشش کی جائے۔ وہ اسباب جنھوں نے دورِ جدید میں معاشرتی زندگی کے اندر اضطراب پیدا کر دیا ہے اور دہشت گردی کو فروغ دیا ہے مندرجہ ذیل ہیں۔

معاشی ناہمواریاں

جدید دور میں معاشی ناہمواریوں کی وجہ سے محروم طبقات کے اندر اضطراب ہے۔ پرانے زمانے میں مالدار اور محروم طبقات دونوں اپنی مادی خواہشات کو محدود رکھتے، ہر طبقے کے لیے خوشیوں کے مواقع موجود رہتے تھے۔ لیکن دورِ جدید میں لوگوں کی خواہشات اور تمنائیں بہت بڑھ گئی ہیں۔ پھر معاشی لحاظ سے امرا اور غرباء کے درمیان نفرت پیدا ہونے اور احساسِ محرومی کے تیز ہونے کے مناظر نظر آتے ہیں۔ اسلام نے اس بات کی طرف انسانوں کو بہت پہلے متوجہ کیا ہے آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا کہ:

فروٹ کھا کر چھلکے باہر نہ پھینکو اس طرح محروم پڑوسی کے دل میں نفرت کی ایک لہر اٹھ سکتی ہے۔ پڑوسی کو بھی شریک کرو کہ لہر محبت کی لہر ہو اور سالن کی ہنڈیا میں بھی پڑوسی کے لیے کپ پانی زیادہ ڈال لیا کرو، لباس میں اگر غرور کرو گے، جہنم رسید ہو گے لباس میں بھی سادگی اختیار کرو۔[۱۰]

---

[۱۰] بحوالہ: سید معروف شاہ شیرازی، اسلام اور دہشت گردی، ص ۱۶۸

سیاسی مظالم

کسنجر نے اپنے ایک حالیہ مضمون میں نقل کیا ہے کہ

''یہ اس کے بغیر ممکن نہیں تھا کہ ان ممالک کی خاموش حمایت کا تعاون حاصل ہوتا جو جارج ڈبلیو بش کے الفاظ میں ''دہشت گردی'' کی مخالفت کرتے ہیں۔لیکن اس نفرت کو انگیز کرتے ہیں جو دہشت گردی کرتی ہے''۔[۱۱]

اس کا سبب ظلم اور ناانصافی کا وہ نظام ہے جس میں فلسطین پر اسرائیل ناجائز طور پر قابض ہو کر وہاں ریاستی دہشت گردی کر رہا ہے، کشمیر پر بھارت کا تسلط ہے اور وہ ریاستی دہشت گردی کر رہا ہے۔گویا عالمی سطح پر امریکہ کے بالادستی کے منصوبے اور پوری عسکری، سیاسی، معاشی اور ثقافتی یلغار ہی وہ اصل سبب ہے جس نے مجبوراً انسانوں کو بغاوت اور پھر خود تشدد پر ابھارا ہے۔

سائنسی اور عسکری ترقی میں کمی

''ایک عام آدمی سے لے کر ہمارا حکمران اور معروف دانشور طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم نے ابھی اتنی سائنسی، معاشی، اقتصادی اور عسکری ترقی نہیں کی ہے کہ آج کی دنیا کے طاقتور ترین ملک امریکہ یا ایسی کسی سامراجی طاقت سے پنجہ آزمائی کر سکتے ہوں۔اس لیے سب سے پہلی ضرورت یہی ہے کہ ہم سائنسی اور معاشی میدان میں زبردست ترقی کریں تب ہی ہم امریکہ اور طاقتور ممالک کی دہشت گردیوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں''۔[۱۲]

یہ سب درست ہے لیکن پھر بھی اصل چیز ایمان ہے اگر ایمانداری سے ہم اپنی تاریخ کا جائزہ لیں جب قرن اول ہی سے اسلام کا پھریرا آدھی سے زائد دنیا پر لہرانے لگا تھا تو کیا اسوقت ہم اسلحے اور ٹیکنالوجی کے لحاظ سے اپنی تمام ہم عصر اقوام سے سبقت حاصل کیے ہوئے تھے؟ اسلام کے غلبے کی ابتدائی جنگ سی ان حالت میں شروع ہوئی کے مسلمانوں کے پاس لڑنے کے لیے نہ کوئی اسلحہ تھا نہ کوئی تلوار اور گھوڑے۔لیکن ان کے پاس ایمان کی دولت اور توکل علی اللہ تھا جس کی وجہ سے انھوں نے

---

(۱۱) خورشید احمد: ۱۱ستمبر کی ستم کاریاں، ماہنامہ ترجمان القرآن، جلد ۱۲۹، شمارہ ۹، ص ۲۷

(۱۲) قاضی کاشف نواز: مسلمانوں کے موجودہ المناک حالات کا بنیادی سبب، ماہنامہ مجلّہ الدعوۃ لاہور، جلد نمبر ۱۳، شمارہ نمبر ۳۰، ص ۲۵

کافر اقوام پر فتح پائی۔

لیکن کہنے کا مقصد یہ نہیں کہ سائنسی وعسکری اور علمی ترقی کی ضرورت نہیں ہے یہ تو ہر صورت ہونی چاہیے جتنی بھی ممکن ہو کیونکہ یہ قرآن کا حکم ہے۔

﴿واعدو الهم ما استطعتم من قوة﴾

گویا سائنسی وعسکری ترقی میں کمی دہشت گردی کا ایک سبب تو ہوسکتا ہے لیکن سائنسی ترقی میں کافروں پر برتری حاصل کرنے تک بیٹھے رہنا یا کافروں کی غلامی قبول کر لینا یا اسے بھی غلبہ ونصرت کا بنیادی سبب سمجھنا یہ بھی اسوۂ رسول ﷺ اور عمل صحابہ کے خلاف ہے۔

باہمی اتحاد کا فقدان اور غداری

دہشت گردی کے اسباب یقیناً بہت سے ہوں گے اور ہو سکتے ہیں لیکن مسلمانوں پر جب بھی دہشت گردی ہوئی تو اس کی ہمیشہ ایک بڑی اہم اور بنیادی وجہ رہی اور وہ مسلمانوں میں باہمی اتحاد کا فقدان، باہمی کشت وخون اور غداری ہے۔

> ''مسلمانوں کے باہمی اختلافات بھی ان پر دہشت گردی کی راہ ہموار کرتے ہیں، کافروں میں باہمی اختلافات جتنا بھی زیادہ ہو لیکن جب کوئی کافر ملک مسلمانوں کے مقابلے میں آتا ہے تو باقی کافر اپنے تمام اختلافات بھلا کر مسلمانوں کے اس دشمن کافر ملک کی پشت پر آموجود ہوتے ہیں جبکہ مسلمان ایسے موقعوں پر اپنے مسلمان ملک کو تنہا چھوڑ دیتے ہیں جس سے وہ مسلمان ملک کافروں کی دہشت گردی کا نشانہ بنتا ہے۔'' [۱۳]

ذرائع ابلاغ کا غلط استعمال

الیکٹرانک میڈیا اسوقت جلتی پر تیل کا کام کر رہا ہے۔ ہمارے میڈیا سے جو ڈرامے نشر ہو رہے ہیں ان میں اخلاق سوز حرکات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اسوقت ذرائع ابلاغ ہمارے مطمئن معاشرے کے اندر تلاطم برپا کر رہا ہے، پیاس اور بے چینی پیدا کر رہا ہے۔ لیکن ہمارے مختارانِ کار مغرب کی نقالی میں اس تباہی کی راہ پر آنکھیں بند کر کے دوڑ رہے ہیں۔

---

[۱۳] قاضی کاشف نواز: مسلمانوں کے موجودہ المناک حالات کا بنیادی سبب، ماہنامہ مجلّہ الدعوۃ لاہور، ص ۲۵

احساس محرومی

دہشت گردی کا ایک اہم سبب بعض افراد یا گروہوں میں اس طرح کے احساس محرومی کا پیدا ہو جانا ہے جو انہیں دہشت گردی پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ دہشت گردی کبھی اپنی بالا دستی قائم رکھنے کے مقصد سے بھی وجود میں آتی ہے تا کہ کوئی اسے کبھی چیلنج کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ ریاستی دہشت گردی کے پیچھے بالعموم بھی سبب کارفرما ہوتا ہے۔[۱۴]

---

(۱۴) محمد ارشاد: دہشت گردی کی اصطلاح اور اس کے استعمال، سہ روزہ دعوت (خصوصی اشاعت) جلد نمبر ۴۹، شمارہ نمبر ۱۰۱، ص ۴۹

فلسفہ جہاد

جہاد کی اصطلاح

جہاد فی سبیل اللہ فساد و بدامنی، طمع و ہوس، بغض دعداوت اور تعصب و تنگ نظری کو ختم کرنے کی کوشش کا نام ہے۔

اس کے معنی مندرجہ ذیل ہیں

جھاد، جھد، یجھد، جھدا سے ماخوذ ہے۔جس کا مصدر جُہد اور جَہد بنتا ہے۔جہاد کا لفظ جہد سے مشتق ہے ابن منظور نے لسان العرب میں جھد اور جُھد کے معنی طاقت کے بیان کیے ہیں۔بعض کے نزدیک جہد کے معنی طاقت اور جَہد کے معنی مشقت کے ہیں۔ ⑮

سید سلیمان ندوی اپنی کتاب میں جہاد کی تعریف کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جہاد سے مراد انتہائی کوشش سے اعلاء کلمتہ اللہ ہے خواہ یہ کوشش تلوار کے ذریعے ہو یا دوسرے ذرائع سے۔'' ⑯

امام ابن الہام جہاد کی تعریف یوں کرتے ہیں:

''جہاد کفار کو دین حق کی طرف دعوت دینا اور اگر وہ دعوت قبول نہ کریں تو ان سے جنگ کرنا ہے۔'' ⑰

اسلامی جہاد کی حقیقت

جب حضور ﷺ نے نعرۂ توحید بلند کیا اور لوگوں کو بتوں کی پوجا چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دی تو چند سعید روحوں کو چھوڑ کر سارا مکہ آپ ﷺ کا دشمن بن گیا۔کفار مکہ نے آپ ﷺ کو بہت ستایا، آپ ﷺ کے خادموں کو اذیتیں دینے کے لیے نت نئے طریقے ایجاد کیے۔لیکن آپ ﷺ نے ہر موقع پر اپنے خادموں کو صبر کی تلقین کی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے لوگ اپنے دینی بھائیوں کو مظالم سہتے دیکھتے اور حضور ﷺ سے کفار کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کی اجازت مانگتے

⑮ لسان العرب، ص۱۳۴

⑯ شبلی نعمانی: سیرۃ النبی ﷺ ۵/۵۰۴

⑰ ڈاکٹر عبداللہ عزام: جہاد آداب واحکام، ص۱۴

لیکن آپ ؐ انھیں یہ کہہ کر خاموش کرادیتے کہ جنگ کی اجازت نہیں ہے۔مسلمانوں نے اپنے ہم قوم کافروں سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

مسلمانوں نے اپنا سب کچھ چھوڑ کر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو کفارِ مکہ نے انہیں ہجرت سے روکنے کے لیے ہر ممکن تدبیر کی اور جب مسلمان مدینہ میں آباد ہوگئے تو مسلمانوں کو دھمکی آمیز خط لکھے کہ ہم مدینہ پہنچ کر تمہارا خاتمہ کردیں گے۔جب کفار مکہ کی سرمستیاں تمام حدود سے تجاوز کرگئیں تو مکافاتِ عمل کا قانون حرکت میں آیا اور پروردگار عالم نے مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ دودو ہاتھ کرنے اوران کے غرور کو خاک میں ملانے کی اجازت دے دی ارشاد خداوندی ہے۔

﴿اذن للذین یقتلون بانھم ظلموا ؕ و ان اللہ علی نصرِ ھم لقدیر﴾ ⑱

''جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے انھیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے اوراللہ ان کی مدد پر یقیناً قدرت رکھتا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں صرف مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد بالسیف کی اجازت بھی نہیں دی گئی بلکہ پروردگار عالم نے جہاد اسلامی کے سارے فلسفے کو ان چند سطروں میں سمودیا ہے۔

حکمتِ جہاد

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا اوراس کی حکمت یہ بتائی کہ زمین میں فساد، بدامنی، طمع و ہوس، بغض وعداوت کو ختم کیا جاسکے۔سورۃ الحج کی آیت ۳۹،۴۰ قتال کے بارے میں ابتدائی آیات ہیں۔اسمیں جنگ کا حکم جن لوگوں کے خلاف دیا گیا ان کا تصور یہ نہیں بتایا کہ ان کے پاس ایک زرخیز ملک ہے یا وہ ایک دوسرے مذہب کی پیروی کرتے ہیں بلکہ ان کا جرم صاف طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ظلم کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے خلاف صرف اپنی مدافعت میں جنگ کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ دوسرے مظلوموں کی اعانت وحمایت کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ کمزور و بے بس لوگوں کو ان کے پنجہ سے چھڑاؤ۔

﴿ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا ا خرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا و اجعل لنا من لدنك و لیا و اجعل لنا من لدنك نصیر﴾ ⑲

''تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان کمزور مردوں،عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں

⑱ الحج:۳۹

⑲ النسا:۵۷

لڑتے جو کہتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے لوگ بڑے ظالم و جفا کار ہیں اور ہمارے لیے خاص اپنی طرف ایک محافظ و مددگار مقرر فرما۔''

اس جنگ کو اس وقت تک جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک خدا کے بے گناہ بندوں پر نفسانی اغراض کے لیے دست درازی اور جبر و ظلم کرنے کا سلسلہ بند نہ ہو جائے، چنانچہ فرمایا:

﴿وقٰتلو هم حتی لا تکون فتنة وّ یکون الدین لله﴾ [۲۰]

''ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔''

جہاد کی ایک حکمت خطہ زمین کی اصلاح اور فساد سے اس کا بچاؤ ہے۔

﴿ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض﴾ [۲۱]

''اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے دفع نہ کرتا تو زمین فساد سے بھر جاتی۔''

جہاد کی ایک حکمت فساد سے بچاؤ ہے۔ فساد پھیلانے والے بیرونی دشمنوں کے علاوہ اندرونی دشمن بھی ہوا کرتے ہیں جو ظاہر میں دوست مگر باطن میں اسلام کی جڑ کاٹنے والے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اس جماعت میں داخل ہیں جس کے لیے قرآن حکیم نے منافق کا جامع لفظ استعمال کیا ہے اور ان کے باب میں یہ حکم دیا گیا ہے۔

﴿یا یها النبی جاهد الکفار والمنٰفقین واغلظ علیهم﴾ [۲۲]

''اے نبی ﷺ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔''

دشمنوں کی ایک اور قسم وہ ہے جو دارالسلام کے اندر رہ کر یا باہر سے آ کر اس میں فساد پھیلاتی ہے، ڈاکے ڈالتی ہے اور قتل و غارت کا بازار گرم کرتی ہے اور حکومتِ اسلامی کے امن و امان میں خلل برپا کرتی ہے یا تشدد کے ذریعہ سے نظامِ اسلامی کا تختہ الٹنے کی کوشش کرتی ہے۔ ان کے متعلق قرآن میں یہ حکم دیا گیا:

﴿انما جزآؤا الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فسادا ان یقتّلو آاو یصلّبوا

[۲۰] البقرۃ:۱۹۳

[۲۱] ایضاً:۲۵۱

[۲۲] التوبہ:۷۳

او تقطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف او یُنفوا من الارض﴾ (۴۳)

''ان کی سزا جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں، یہی ہے، کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔''

جہاد کا مقصد چونکہ زمین میں امن وامان قائم رکھنا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے قاتل سے بدلہ لینے کا حکم دیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿یا یھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی﴾ (۴۴)

''اے ایمان والو! تم پر قتل کا بدلہ فرض کیا گیا ہے۔''

گویا ان تمام مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ہی قرآن جہاد کا حکم دیتا ہے۔ جب یہ مقاصد حاصل ہو جائیں تو زمین میں امن وامان قائم ہو جاتا ہے جو اسلام کا منشاومقصود ہے۔

اسلام اور مغرب کا تصور دہشت گردی

آج کے دور میں اسلامی جہاد کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ جہاد دہشت گردی ہے حالانکہ یہ الزام بالکل غلط ہے۔ جہاد اور دہشت گردی کا آپس میں کوئی تعلق نہیں، ان دونوں کے اصول ومقاصد ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جہاد امن کے لیے کیا جاتا ہے اور دہشت گردی سے زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ اب یہاں دونوں کا موازنہ پیش کیا جائے گا تاکہ اصل حقیقت کھل کر سامنے آجائے کہ اسلام کا تصور جہاد دہشت گردی نہیں ہے بلکہ یہ امن قائم کرنے کے لیے ہے۔

❁ منصوبہ بندی

دہشت گردی ایک ایسا فعل ہے جس میں بڑی منصوبہ بندی اور سوچ وبچار کے بعد تشدد اور تباہی کا مخصوص راستہ اپنایا جاتا ہے تاکہ خاص سیاسی، مذہبی یا لسانی ونسلی مقاصد حاصل کیے جاسکیں۔ اگر یہ فعل مالی مقاصد حاصل کرنے کے لیے کیا گیا ہوگا تو ایجنسی مذکور یا ریاست کو بھاری مالی نقصان سے دوچار کر دے گا۔ (۴۵)

(۴۳) المائدۃ:۳۳

(۴۴) البقرۃ:۱۷۸

(۴۵) دہشت گردی، ص۴۰

جہاد بھی باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت کیا جاتا ہے امیر اپنے سپاہ کے مشورے سے منصوبہ بندی کرتا ہے اور منظّم طریقے سے جہاد کیا جاتا ہے اسلام فساد پھیلانے کی بالکل اجازت نہیں دیتا بلکہ فساد پھیلانے والوں کے لیے سخت سزا مقرر کرتا ہے۔

﴿انما جزآء الذین یحاربون اللہ ورسولہ و یسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا اویصلّبوا او تقطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف او یُنفوا من الارض﴾ [۲۶]

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے یا سولی پر چڑھا دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا ملک بدر کر دیا جائے۔"

گویا منصوبہ بندی جہاد اور دہشت گردی دونوں میں پائی جاتی ہے لیکن ان دونوں کے مقاصد میں بعد المشرقین ہے۔

❁ مقابل فریق

انعام الحسن سحری لکھتے ہیں

"دہشت گردی نام ہے تشدد کیے جانے کے خوف کا اور تشدد کے واقعات کے تسلسل کا تاکہ خوف کی فضا قائم رکھی جا سکے۔ ضروری نہیں کہ تشدد کی یہ کارروائی انہی لوگوں کے خلاف ہو جو دہشت گردوں کے مخالف ثابت ہوئے ہیں بلکہ زیادہ تر تشدد کا نشانہ بننے والے لوگ معصوم ہوئے ہیں۔" [۲۷]

جہاد میں مقابل فریق مسلح افراد ہوتے ہیں۔ اسلام غیر مقاتلین پر ہتھیار اٹھانے کی بالکل اجازت نہیں دیتا اور زیادتی کرنے اور فساد پھیلانے کی اجازت نہیں دیتا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلو نکم و لاتعتدوا﴾ [۲۸]

---

(۲۶) المائدۃ:۳۳

(۲۷) دہشت گردی، ص ۴۱

(۲۸) البقرۃ:۱۹۰

''اور اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔''

یوں جہاد اور دہشت گردی میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ اسلام غیر مقاتلین پر ظلم وستم کی اجازت نہیں دیتا جبکہ دہشت گردی معصوم لوگوں کے خلاف بھی کی جاتی ہے اور اس طرح زمین میں فساد پھیلایا جاتا ہے۔

❁ حکومت کا قیام

دہشت گردی کا ایک مقصد متوازی نظام، متوازی نظریہ وفکر، متوازی تہذیب وتمدن، متوازی معاشرہ یہاں تک کہ متوازی شخصیات کا خاتمہ اور ایک شخصی حکومت کا قیام ہے۔[۲۹]

اسلام میں شخصی حکومت کا تصور نہیں بلکہ اگر کسی جگہ آمریت قائم ہوا اور وہاں عام افراد پر ظلم وستم کیا جا رہا ہو تو اسلام یہاں جہاد کرنے کا حکم دیتا ہے تاکہ زمین میں امن قائم ہو اور اور شخصی حکومت کے پھیلائے ہوئے فسادات کا خاتمہ کیا جا سکے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وقٰتلو هم حتى لا تكون فتنة و يكون الدين لله﴾[۳۰]

''اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے''۔

دہشت گردی کا مقصد جہاں فردِ واحد کی حکومت ہے وہاں جہاد کا مقصد شخصی حکومت کا خاتمہ کر کے اللہ کے قانون کو نافذ کرنا ہے۔

❁ محارب کی شخصیت

سید معروف شاہ شیرازی لکھتے ہیں:

''دہشت گردی کے وجود میں آنے کا ایک اہم سبب کسی گروہ کو دبا کر رکھنا ہے، اسکی حق تلفی کرنا ہے۔ اس کے نتیجے میں اگر اس گروہ کا ردِ عمل زیادہ شدید ہو کہ دہشت گردی کی حد میں داخل ہو سکتا ہے۔''[۳۱]

---

[۲۹] محمد ارشد: دہشت گردی کی اصطلاح اور اس کے استعمال کا طریقہ، سہ روزہ دعوت ص ۲۵

[۳۰] البقرۃ: ۱۹۳

[۳۱] سید معروف شاہ شیرازی: اسلام اور دہشت گردی، ص ۱۷۰

جہاد کرنے والا شخص مجاہد کہلاتا ہے وہ ایک مضبوط شخصیت کا مالک ہوتا ہے اس کے اعتقادات بہت پختہ ہوتے ہیں۔ اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے ہی جہاد کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے مجاہدین کی فضلیت میں فرماتے ہیں:

﴿ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون﴾ [۳۲]

''اور جو اللہ کے راستے میں مارا جائے اسے مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔''

یورپ جہاد کو دہشت گردی اور مجاہدین کو دہشت گردوں کا نام دیتا ہے، یہ الزام اسوقت بالکل غلط ثابت ہو جاتا ہے جب ان کی شخصیات کا تجزیہ کیا جائے۔

حقوق کی پاسداری

منظور الحسن لکھتے ہیں کہ

''انسان خواہ مقاتلین ہوں یا غیر مقاتلین ان کے حقوق کی خلاف ورزی میں طاقت کا استعمال یا اس کی دھمکی، دانستہ طور پر غیر قانونی طریقے سے ہو اور اسکا مقصد معاشرے میں خوف و دہشت پھیلانا ہو تو اسے دہشت گردی کہا جائے گا خواہ اسکا ارتکاب افراد کریں یا ان کی تنظیم یا کوئی حکومت۔'' [۳۳]

اسلام حقوق کی پاسداری کی تعلیم دیتا ہے کیونکہ امن اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے جب انسانی جان کے حقوق ادا کیے جائیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا﴾ [۳۴]

''جس نے کسی ایک جان کو بغیر کسی جان کے بدلے قتل کیا یا زمین میں فساد پھیلایا تو گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کر دیا۔''

---

[۳۲] البقرۃ:۱۵۴

[۳۳] منظور الحسن: دہشت گردی، ماہنامہ اشراق جلد نمبر ۱۴، شمارہ نمبر ۳۰، ص ۴۸

[۳۴] المائدۃ:۳۲

اسلام حقوق کی پاسداری کی تعلیم دیتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام دنیا میں امن قائم کرنا چاہتا ہے۔ دہشت گردی حقوق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے زمین میں فساد پھیلاتی ہے اور جہاد امن قائم کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

معاشی مقاصد

''دہشت گردی کسی کا حق چھیننے، کسی پر ظلم کرنے، کسی کے مذہب، عزت دولت اور جائیداد کو نقصان پہنچانے کی ظالمانہ کاروائیوں کا نام ہے۔'' ۳۵

جبکہ جہاد کے مقاصد معاشی نہیں ہوتے۔ جہاد کے نتیجے میں دنیا میں اللہ کا قانون نافذ ہوتا ہے جس سے امن برقرار رہتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وجعل كلمة الذين كفرو السفلى وكلمة الله هى العليا﴾ ۳۶

''اور نیچے ڈالی بات کافروں کی اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے۔''

جہاد کے مقاصد اعلیٰ وارفع ہوتے ہیں اور جہاد ناحق لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا گویا دونوں کے مقاصد میں بہت تفاوت پایا جاتا ہے۔

❀ نسلی مقاصد

''دہشت گردی ایک ایسا فعل ہے جس میں بڑی منصوبہ بندی اور سوچ بچار کے بعد تشدد اور تباہی کا مخصوص راستہ اپنایا جاتا ہے۔ تاکہ خاص سیاسی مذہبی، یا لسانی و نسلی مقاصد حاصل کیے جا سکیں۔'' ۳۷

اسلام نسلاً کسی قوم کو برتر نہیں سمجھتا بلکہ برابری کی تعلیم دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک برتری کا معیار کچھ اور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

۳۵ منظور ڈار: دہشت گردی اور تحریکِ آزادی، ج ن ۹، شمارہ ۷، ص ۸

۳۶ التوبہ: ۴۰

۳۷ مسلم سجاد: بوسنیا کی قتل گاہیں، ماہنامہ ترجمان القرآن، ص ٦٦

﴿یا یھا الناس انا خلقنکم من ذکرو انثی و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکر مکم عنداللہ اتقکم﴾ [۳۸]

''اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے خاندان اور قبائل بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک تم میں سے عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔''

دہشت گردی میں کوئی نسل اپنی نسلی برتری ثابت کرنے کے لیے قتل و غارت گری اور فتنہ و فساد کرتی ہے جبکہ اسلام اس مقصد کے لیے فساد پھیلانے کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔

حرمت نفس

دہشت گردی کی وضاحت کرتے ہوئے صادق علی لکھتے ہیں کہ

''مسلح طاقت سے زندگی کے حق سے محروم کرنا دہشت گردی ہے۔'' [۳۹]

اسلام نے احترام نفس کی جیسی صحیح اور موثر تعلیم دی گئی ہے وہ کسی دوسرے مذہب میں ملنی مشکل ہے۔اسلام نے جنگ کے دوران بھی یہ حکم دیا ہے کہ بے گناہ افراد کو بلا وجہ قتل نہ کیا جائے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق﴾ [۴۰]

''اور کسی ایسی جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے، ہلاک نہ کر سوائے حق کے۔''

یوں دونوں کی تعلیمات بالکل متضاد ہیں، ایک امن کے لیے کوشاں ہے اور دوسرا فساد کے لیے۔ اس لئے جہاد کو دہشت گردی کہنا سراسر ناانصافی ہے۔

---

[۳۸] الحجرت:۱۳

[۳۹] صادق علی: دہشت گردی کا مفہوم، ہفت روزہ مزدور جدوجہد، ص ۱۱

[۴۰] الانعام:۱۵۱

اصول

جب دہشت گردی کی کارروائی کی جاتی ہے تو اس کے لیے اصول وضوابط مقرر نہیں کیے جاتے بلکہ ہتھیاروں کا بے دریغ استعمال کرتے ہوئے اپنی منزل حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، چاہے اس کے لیے کوئی بھی حربہ آزمانا پڑے۔

Terrorism is a deliberate, unjustifiable and random use of violence for political ends against protected persons. [۴۱]

اسلام جب جہاد کا حکم دیتا ہے تو اس کے اصول مقرر کرتا ہے۔ جہاد کے بہت سے اصول مقرر کیے گئے ہیں مثلاً غیر محفوظ آبادیوں پر گولہ باری نہ کی جائے، غارت گری اور تباہ کاری کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ زمین میں فساد ہو۔ قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿واذا تولی سعی فی الارض لیفسد فیہا و یہلك الحرث والنسل﴾ [۴۲]

''جب وہ حاکم بنتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے اور فصلوں اور نسلوں کو برباد کرے مگر اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''

دہشت گردی چونکہ اصول وضوابط کی پابند نہیں ہوتی اس لیے یہ امن کو پارہ پارہ کر دیتی ہے جبکہ اسلام ایک امن پسند دین ہے۔ اسی طرح جہاد اور دہشت گردی دو متضاد تصورات ہیں جنھیں متوازی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے آج اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کا جو پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے وہ سراسر غلط اور ناانصافی پر مبنی ہے کیونکہ اسلام دینِ امن ہے اور وہ دنیا میں امن قائم کرنا چاہتا ہے اور جہاد بھی اسی مقصد کے لیے کیا جاتا ہے تاکہ ظالم استبداد سے مظلوم لوگوں کو نجات دلائی جا سکے اور دنیا میں اللہ کا قانون نافذ کیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی وہ واحد ہستی ہے جس کے قوانین اٹل اور حکمت پر مبنی ہیں جس کے بغیر دنیا میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔

---

۴۱ Oxford Encyclopedia of the Modern Islamic world, P. 205

۴۲ البقرۃ:۲۰۵

فصل دوم

تہذیبوں کا تصادم

تہذیب کا لغوی معنی

تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ ''ھ، ذ، ب'' ہے اور یہ باب تفعیل ثلاثی مزید فیہ سے ہے۔

المنجد میں ہے:

''ھذب: ھذب، ھذباً، الشجر وغیرہ قطعه ، نقاہ اصلحه والنخلة نزع عنها الليف''[1]

جلدی کرنا، شاخ تراشی کرنا، پاکیزہ کرنا، درست کرنا اور اصلاح کرنا۔ لفظ تہذیب کے بارے میں ابن منظور لکھتے ہیں:

مہذب التہذیب

''کالتنقية: هذب الشيء يهذبه هذبا وهذّبه: نقاه واخلصه وقيل أصلحه وقال ابو حنفية: التهذيب فى القدح العمل الثانى ، والتشذيب الاول ، وهو مذكور فى موضعه والمهذب من الرجال : المخلص النقيمن العيوب ، ورجل مهذب أى مطهر الاخلاق۔''

واصل التهذيب ، تنقية الحنظل منمشجه ومعالجة جنّة حتى تذهب مرارته ويطيب لأكله[2]

لفظ تہذیب عربی زبان سے اردو میں آیا ہے۔ اردو میں تہذیب کا لفظ عام طور پر شائستگی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

فرہنگ آصفیہ میں آتا ہے:

آراستگی، صفائی، پاکی، درستی، اصلاح، شائستگی، خوش اخلاقی، اہلیت، لیاقت، آدمیت، تربیت، انسانیت، شرافت۔[3]

تہذیب کے لغوی معنی مہذب اللغات میں کچھ یوں بیان کیے گئے ہیں۔ پاکیزگی، شائستگی، پاکیزہ، شائستہ، فصیح، رائج۔[4]

---

① لوئیس مالوف: المنجد

② ابن منظور، لسان العرب: ۲۸۲

③ سید احمد دہلوی: فرہنگ آصفیہ، ۱/۶۴۴

④ مہذب لکھنوی: مہذب اللغات، ۳/۳۳۷

وارث سرہندی لفظ تہذیب کے لغوی معنی کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''شائستگی اور خوش اخلاقی کے ہیں۔ یہ لفظ سوسائٹی کے اصول ورسوم اور رواجوں کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ یہ انگریزی کے لفظ کلچر کا ترجمہ ہے''۔ ⑤

جامع اللغات میں لفظ تہذیب کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں:

شائستگی، انسانیت، خوش اخلاقی، آراستگی، پاکیزگی، اصلاح پانا، حاصل کرنا، دینا، سکھانا اور سیکھنا وغیرہ۔ ⑥

فیروز اللغات میں ہے:

آرائستگی، صفائی، اصلاح، شائستگی، خوش اخلاقی ⑦

تہذیب کا اصطلاحی مفہوم

تہذیب کے اصطلاحی مفہوم کے بارے میں سبط حسن لکھتے ہیں:

''کسی معاشرے کی بامقصد تخلیقات اور سماجی اقدار کے نظام کو تہذیب کہتے ہیں۔ تہذیب معاشرے کی طرزِ زندگی اور طرزِ فکر واحساس کا جوہر ہوتی ہے۔ چنانچہ زبان، آلات و اوزار پیداوار کے طریقے اور سماجی رشتے رہن سہن، فنونِ لطیفہ، علم و ادب، فلسفہ و حکمت، عقائد وافسوں، اخلاق و عادات، رسوم وروایات، عشق ومحبت کے سلوک اور خاندانی تعلقات وغیرہ تہذیب کے مختلف مظاہر ہیں۔'' ⑧

اسلام کا نظام زندگی میں تہذیب کے بارے میں آتا ہے:

''یہ لفظ عربی زبان سے اردو میں آیا ہے اس کے اصل معنی ہیں درخت کو کانٹ چھانٹ کر سنوارنا۔ علم وادب کے ذریعے اخلاق کردار درست کرنا اور شائستہ بنانا۔'' ⑨

---

⑤ وارث سرہندی: علمی اردو لغت

⑥ خواجہ عبدالمجید بی۔اے: جامع اللغات، ۲۶۱/۲

⑦ الحاج مولوی فیروز الدین: فیروز اللغات، ص ۳۹۳

⑧ سبط حسن: پاکستان میں تہذیب کا ارتقا، ص ۱۱۳

⑨ پروفیسر ظہور احمد اظہر: اسلام کا نظامِ زندگی، ص ۹
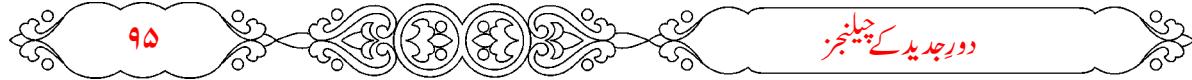
دی ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا تہذیب کے بارے میں

A civilization consist of the art, customs, technology, from of government and every thing else that makes up the way of life in a society" (۱۰)

Encyclopedia of Americana میں ہے۔

"The term of "Civilization" should apply only to societies that are more massive and complex than most and enjoy a more extensive masterly over the natural and human environment than other, weaker, primitive Societies do" (۱۱)

Lexicon Universal Encyclopedia میں Civilization کا مفہوم کچھ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

"The term civilization designates a condition of human Society characterized by a high level of cultural and technological achievement and correspondingly complex social and political development." (۱۲)

---

(۱۰) The World Book Encyclopedia vol. 4, P. 636

(۱۱) Encyclopedia Americana Vol.1, P. 2

(۱۲) Lexicon universal Encyclopedia Vol. 5/ P.34
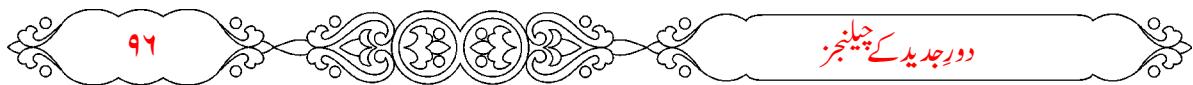
Toy n bee واضح کرتے ہیں کہ

"I mean by civilization the smallest unit of historical study to which one is brought when trying to comprehend the history of one's own country. ⑬

Marcel mauss تہذیب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

Civilization is all of man's acquisifions. ⑭

---

⑬ Ferrnard Braudel, on History ,P. 190

⑭ Ibid P. 913

تہذیبی تصادم کا پس منظر

اس سے پہلے کہ تہذیبی تصادم کے نظریے کی وضاحت کی جائے اس کے پس منظر میں جانا ضروری ہے کہ جس پر ہنٹنگٹن نے اپنا نظریہ بیان کیا۔ دیوار برلن کا نومبر ۱۹۸۹ء میں گر جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی اس سے سرد جنگ اپنے اختتام کو پہنچی اور مستقبل کا سیاسی منظر نامہ بڑی حد تک تبدیل ہونے کے واضح آثار دکھائی دینے لگے۔ جس کے بارے میں ماہرین نے اپنی پیش گوئی کی۔ امریکہ کے ماہر سیاسیات فرانس فوکویاما نے ۱۹۸۹ء میں امریکی رسالے The National Interest میں ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تاریخ کا اختتام تھا۔ "The End of History" یہ نظریہ فوکویاما نے جرمنی میں دیوار برلن کے گرنے پر لکھا تھا۔ اس نظریے کا بنیادی نقطہ یہ تھا کہ مغربی تہذیب اپنے انتہائی عروج پر ہے، دنیا میں جتنی ترقی ہونی تھی وہ ہو چکی ہے، دنیا سیاسی ارتقاء کی آخری سٹیج پر ہے۔ مغربی جمہوری سرمایہ داری نے اپنے آپ کو تمام روایاتی مخالفین پر برتر ثابت کر دیا ہے اور اب تمام دنیا میں ہی تہذیب قابل قبول ہے۔ بعد میں اسی مقالے کو انہوں نے ۱۹۹۲ء میں ایک کتاب کی شکل دی جس کا نام "The End of History and the last man" رکھا اسی کتاب کے تعارف میں وہ اپنے مضمون کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جمہوری آزادی انسان کی نظریاتی اور ارتقاء کی آخری منزل ہے اور یہ انسانی حکومت کی آخری صورت ہے اور یوں یہ تاریخ کا اختتام ہے جبکہ حکومت کی پچھلی شکلیں غلط تھیں اور اسی لیے آخر کار ختم ہو گئیں وہ اپنے الفاظ میں لکھتے ہیں۔

> "I argued taht a remarkable consensus concerning the legitinacy of liberal democracy as a system of government had emerged throughout the would over the past few years as it conquered rival ideologies like heardity monarchy facim most recently communism more than that however, I argued liberal democracy may constitute the end point of mankind's

ideological evolution final form of human government and as such constituted the "End of History" that is while earlier forms of government were characterised by grave defects and errationalities that led to their eventual collapse liberal democracy was arguably free from such fundamental internal control dictions."[۱۵]

فوکویاما کے خیال میں تاریخ کے اختتام سے مراد دنیا کے قدرتی عوامل کا رک جانا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام بڑے سوالات حل ہو چکے ہیں اور اداروں میں مزید ترقی نہیں ہوئی۔

فوکو یاما کے نظریے کے مطابق کمیونسٹ ریاستیں چونکہ ختم ہو رہی ہیں اور اسی طرح ایشیا اور ساؤتھ امریکہ میں آمریت اور معاشیات بھی ڈول رہی ہیں اسی طرح ایک نئی دنیا ابھر رہی ہے۔نیتجتاً جنگ یا تو بہت کم ہوگی اور حتیٰ کہ بالکل ہی ختم ہو جائے گا اب پیچھے کیا رہ گیا ہے۔ یہ نظریہ ویسے تو مستقبل کا ایک منظر نامہ تھا لیکن اس کا بنیادی مقصد مغربی تہذیب کی برتری کو ثابت کرنا تھا جس کے مطابق دنیا میں مزید ترقی رک جائے گی اور سیاست میں مزید کوئی نیا منظر نامہ نہیں آئے گا اور جنگ بھی نہیں ہوگی۔ یہ نظریہ ان نظریات کا تسلسل تھا جو کہ دیوار برلن کے گرنے اور سرد جنگ کے خاتمے پر مختلف ماہرین سیاسیات نے پیش کیے۔

اسی نظریے کے رد میں ہنٹنگٹن نے اپنا تہذیبی تصادم کا نظریہ پیش کیا جس کے مطابق آئندہ اگر جنگ ہوئی تو تہذیبوں کے درمیان ہوگی اور مغربی تہذیب بھی کوئی برتر نہیں۔ اور اگر چہ وہ اپنی برتری کو پوری دنیا پر ثابت کرنے پر تلی ہے اور اپنے آئیڈیاز اور نظریات دوسری تہذیبوں پر Impose کرنا چاہتی ہے جبکہ وہ تہذیبیں جو غیر مغرب ہیں اور طاقت میں مغرب کے ہم پلہ ہیں، مغربی تہذیب کی برتری کو قبول کرنے کو تیار نہیں اور یوں دنیا میں تہذیبوں کا تصادم ہوگا۔اس سلسلے میں ہنٹنگٹن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ ٹائن بی اور سپنگلر کے بعد وہ تہذیبوں کے فلسفے کو ایک نئے اور بھرپور انداز میں دوبارہ سے لے کر آیا ہے۔

---

۱۵ Francis Fukuyama "The End of Hisotry" National Internet 1992

تہذیبی تصادم کی وجوہات

❁ اقتصادی وجوہات

اقتصادی اسباب تہذیبی تصادم کے لیے موجودہ دور میں سب سے اہم ہیں۔ اقتصادیات انسانیت کے آغاز سے لے کر آج تک جھگڑوں میں اہم بنیادی وجہ رہی ہے۔

❁ اقتصادی مفادات مغرب کی اسلام کے ساتھ کشمکش

جہاں تک اقتصادی مفادات کا تعلق ہے تو مغرب کی اسلام کے ساتھ دشمنی کے پیچھے بڑی حد تک ہی بات پوشیدہ ہے جن کی کچھ مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

قدرتی وسائل پر ان کا غلبہ کیسپئن کے علاقہ میں ہو رہا ہے۔ ڈالر کو سونے کے متبادل کرنسی کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے تمام ترقی یافتہ مما لک کو مارکیٹ فراہم نہ کرنا اور س طرح انہیں بھاری صنعتوں کو لگانے سے روکنا۔

IMF اور ورلڈ بنک کے ذریعے ترقی پذیر مما لک کو سود پر قرضے فراہم کرنا۔ یہ قرضے ان مما لک کے GDP کو کم کرتا ہے پاکستان اس کی بہترین مثال ہے۔ مختلف مما لک پر اپنا سیاسی اور اقتصادی اقتدار قائم رکھنے کے لیے ان پر اقتصادی پابندیاں قائم کرنا، مثال کے طور پر عراق۔

خلافہ ڈاٹ کام کے جرنل کے مطابق پہلی عالمی جنگ کے اختتام پر امریکہ کے صدر وڈرو ولسن (Woodrow Welson) نے کیا کہ کوئی آدمی بلکہ عورت حتیٰ کہ بچہ بھی کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتا کہ جدید دور میں جنگ کی وجوہات صنعتی اور اقتصادی دشمنی میں نہیں ہیں۔ اسی طرح کی ایک مثال ورلڈ بنک کے چیف اکنامسٹ لاؤنس سمرز کی ہے جنھوں نے اپنے بیان میں لکھا۔

> "I think the economic logic behind dumping a load of toxic waste in the lowest wage country is impeccable and we should pace it.[۱۲]

---

۱۲ Khilafah com, journal, the Inevitable clash of civilizations on 9/11

سیاسی وجوہات

سیاسی وجوہات بھی تہذیبی تصادم کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔کوئی بھی ملک جب اپنی طاقت کے نشے میں دوسرے ممالک میں سیاسی اجارہ داری قائم کرتا ہے تو تصادم ہوتا ہے۔

"North atlantic treaty organization, (NATO) the
Association of southeast
Asian Nations (ASEAN).
Asia Pacific Economic Co-operation (APEC)"

یہ تینوں تنظیمیں اس وقت دنیا میں موثر تنظیموں میں شمار ہوتی ہیں اگر چہ ان تینوں تنظیموں کے پیچھے فوجی' اقتصادی تعاون پوشیدہ ہے لیکن حقیقت میں یہ تینوں تنظیمیں اور اس طرح کی دوسری تنظیمیں صرف اپنے ہی ممبر ممالک کو تحفظ فراہم کرتی ہیں اور ایک ملک کے تحفظ کے لیے دوسرے پر چڑھ دوڑتی ہیں۔

Once again the representatives to Asean like APEC and NATO are duly selected leaders of their respective countries not appointed diplomates with no legitimate authority to act or to bind the actions of their nations. [۱]

معاشرتی وجوہات

ہنٹنگٹن معاشرتی وجوہات کو بھی تصادم کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ان کے خیال کے مطابق۔

"Difference in culture that is basic values and believes are a second source of conflict. V.S Naipaul has argued that western civilization is

---

۱ Gopusa Gregg Bishoth, Is on era coming an end Oct. 28th 2002

the universal civilization that fits all men. At a superficial level much of western culture has indeed permeated the rest of the world. At a more basic level however western concepts differ fundamentally from those prevalent in other civilization western ideas of individualism, equality, liberty, conslitutionalism Human rights, equality, liberty the rule of law democracy free markets the separation of church and state often have little resonance in Islamic confucian, japanese, Hindu, Buddhist or orthodox cultures.[١٨]

گویا جب بھی دوسری تہذیبوں کی معاشرتی اقدار کو ایک تہذیب کے سامنے لایا جاتا ہے اگر وہ اقدار ان کی تہذیب کے ساتھ متعلقہ ہوں تو قبول کر لی جاتی ہیں لیکن اگر وہ مختلف ہوں تو پھر تصادم کی صورتحال ہوتی ہے۔ لیکن روایات پسند طبقہ غیر تہذیب کی روایات کو اپنی روایات کے خلاف قرار دیتے ہوئے قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

مغربی تہذیب کے امریکی روپ میں اخلاقیات موجود نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ انفرادی اور ریاستی ہر دو سطحوں پر انسانوں کو قتل کرنا، عورتوں اور مردوں کا جنسی استحصال، فطرت کی پامالی وغیرہ جیسے گھناؤنے افعال روا رکھے جاتے ہیں جبکہ یہی معاشرتی اقدار مشرقی معاشروں میں ایک گھناؤنے جرائم سمجھے جاتے ہیں اور یوں clash ہوتا ہے۔

---

(١٨) S.P. Huntington. foreign Affairs P.g 40

❁ مذہبی وجوہات

مذہب اور تہذیب یا مذہب اور کلچر ابن خلدون کے نزدیک دو متضاد اور منفرد چیزیں نہیں، تہذیب ہو یا کلچر بغیر مذہب کے وجود میں نہیں آ سکتے اس لیے وہ بار بار یاد دلاتا ہے کہ مذہب ہی ان دونوں کی وجودی علت اور ماخذ اصلی ہے۔

''عمرانی زاویہ نگاہ سے تہذیب عقیدے کی تبدیلی کا نام ہے اور قرآن کی رو سے عقیدے کی دو قسمیں ہیں ایک تو مثبت عقیدہ اور دوسرا منفی عقیدہ۔ وہ تمام معبوثانہ مذاہب جن کی اساس توحید نبوت اور کتاب پر موقوف ہے وہ تمام مثبت عقیدے کے حامل کیے جائیں گے مثبت عقیدے پر منحصر اکمل اور آخری مذہب دین اسلام ہے''۔[19]

❁ مذہب تہذیبوں کی تشکیل میں بنیادی وصف

ڈاسن لکھتے ہیں مذہب تہذیبوں کی تشکیل میں بنیادی وصف ہوتا ہے۔

"Religion is a untral defining character of civilizations and as christopher DAWSON said "the great religions are the foundations on which the great civilizations rest.[20]

براڈل مذہبی وجہ کو ہی تصادم کی بڑی وجہ قرار دیتے ہیں۔

" If two civilizations called these encounters are important not because of their immediate political and economic consequences but because of their long term religious consequences their are of course short term

---

(19) علامہ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، ص ۱۰۱

(20) Christopher Dawson, Dynamics of world History . P. 128

religious consequence. And long term pelitical or economic consequences. But to admit that would be to risk upsetting the order which has been laid down once and forall. If one studies history as a whole then political and economic history must be (put) in a subordinate position in order to accord primary to religious history. After all it is religion which is the most serious concern of the human race. "The central Core" one can read else where "There is to say religion."[۴۱]

❁ نیوکلیئر ہتھیار کے متعلق دوہرا معیار

اس بات کی مثال یوں پیش کی جاسکتی ہے کہ عراق پر جس وجہ سے حملہ کیا گیا وہ وجہ ایک ہی تھی کہ ان کے پاس کیمیائی ہتھیار ہیں جو کہ دنیا کے لیے خطرہ ہیں۔ٹونی بلیئر نے اپنے خطاب میں بھی یہی کہا تھا کہ صدام حسین دنیائے امن کے لیے خطرہ ہیں جبکہ امریکہ اپنے پاس میزائلوں کی ایک بڑی تعداد رکھتا ہے اس کے علاوہ پہلی دفعہ ایٹم بم کا استعمال بھی امریکہ نے ۱۹۴۵ء میں جاپان پر کیا تھا۔

موجودہ دور میں ایران پر پابندیاں لگانے کے لیے کہا گیا اور شمالی کوریا کے ساتھ بھی امریکہ کا یہی جھگڑا ہے کہ اس کے پاس نیوکلیئر ہتھیار موجود ہیں۔یہ وہ دوہرا معیار ہے جو امریکہ اور دوسری Powers نے اپنایا ہوا ہے سیموئیل ہنٹنگٹن لکھتے ہیں۔

"The conflict between the west and the confusion Islamic states focuses largely, although not

---

۴۱ Fernard Braudel, On History; P.192
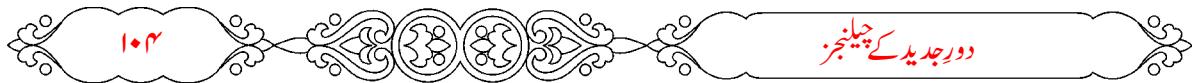
exclusively on nuclear chemical and biological weapons ballistic missiles and other sophisticated means for delivering them and the guidance intelligence and other electronic capabilities for achieving the goal. The west promotes non proliferation as a universal norm and nonproliferation treaties and inspections as mean of sealizing that norm. It also threatens a variety of sanctions against those who promote the spread of sophisticated weapons and proposes some benefits for those who do not. The attention of the west focus naturally on nations that are actually or potentially hostile to the west.

The non western nations on the other hand, assert their right to acquire and to deploy. whatever weapons they think necessary for their security.[۴۲]

---

۴۲ S.P Huntington, Foreign Affairs, P. 46

❁ امریکہ کا دوغلا کردار

عصری تہذیبی تصادم کی ایک وجہ امریکہ کا دوغلا کردار ہے جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

☜ اسامہ بن لادن کو تربیت دینے والے اور ہتھیار فراہم کرنے والے امریکی ہی تھے جواب اس بات کا کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں کہ وہ افغانستان کو استعمال کررہے تھے تاکہ سوویت روس کے استحکام کو نقصان پہنچا سکیں اور وہ یہ کام افغانستان پر روسی حملے سے بھی پہلے سے کررہے تھے۔ کتنے لوگ اس کھیل میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں؟ جسے سابق صدر کارٹر کے مشیر زبگینو برزنیسکی نے ''شطرنج کی عظیم بساط'' قرار دیا تھا۔ اور کتنے ہی دہشت گرد ہیں ایشیا میں براعظم وسطی امریکہ میں بلقان ریاستوں میں اور مشرق وسطٰی میں جو آزاد دنیا کے استعمال کے بعد کھلے چھٹے پھر رہے ہیں۔

☜ جرمن سائنسدان ورنروان براؤن ''شر'' تھا۔ جب اس نے وی ٹو راکٹ ایجاد کیے جو ہٹلر نے لندن پر برسا دیے مگر اس دن مجسمہ خیر میں تبدیل ہوگیا جب اس نے اپنی مہارت امریکہ کی خدمت میں پیش کردی۔

☜ صدام حسین: خیر تھے اور ان کے کیمیائی ہتھیار بھی اچھے جو وہ ایرانیوں اور کردوں کے خلاف استعمال کررہے تھے پھر وہ شر بن گئے ان کو ''شیطان'' بھی کہا گیا جب امریکہ نے جس نے ابھی پانامہ پر حملہ کیا ہی تھا عراق پر دھاوا بول دیا اس لیے کہ عراق نے کویت پر حملہ کیا تھا۔ والد بزرگوار بش کے خلاف اس جنگ کے ذمہ دار تھے جو انسانی ہمدردانہ جذبہ ان کے اس خاندان سے مخصوص ہے اس سے کام لیتے ہوئے انہوں نے ایک لاکھ سے زیادہ عراقیوں کو ہلاک کرڈالا' جن کی غالب اکثریت شہریوں کی تھی۔

سیموئیل ہنٹنگٹن نے کچھ یوں بیان کیا ہے۔

" Muslims contrasted western actions against Iraq with the west failure to protect Bosinians against Serbs and to impose sanctions on Israel for violating U.N resolutions. The west they alleged was using a double standards people

apply one standard to their kin-countries and a different standards to others. [٣٣]

---

٣٣ S.P Huntington, Foreign Affairs, P. 36

فصل سوم

نیوورلڈ آرڈر اور عالمِ اسلام

نیوورلڈ آرڈر

مغربی دنیا نے ہمیشہ سے ہی اسلام کو ختم کرنے کی سازشیں کی ہیں۔ مغربی دنیا کی اسلام سے جو کشمکش ہے اس کا سلسلہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ دورِ جدید میں ''نیو ورلڈ آرڈر'' کی شکل میں عالمِ اسلام کے خلاف ایک بڑی سازش کی گئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ پوری دنیا پر امریکی قوم کا غلبہ اور بالا دستی قائم ہو اور عالمِ اسلام کی قوت کا خاتمہ کیا جائے۔

نیوورلڈ آرڈر کا آغاز

۱۱ستمبر ۱۹۹۰ء کی بات ہے جب امریکی صدر جارج بش نے پہلی مرتبہ نئے عالمی نظام کی اصطلاح اپنی ایک تقریر میں استعمال کی تھی۔[①]

اس نئی اصطلاح کا استعمال کرنا تھا کہ پوری دنیا میں اس کی معنویت کے بارے میں سیاسی تشریحات شروع ہو گئیں۔ یہ ایک ایسی اصطلاح تھی جو کہ بظاہر مبہم بھی معلوم ہوتی تھی اور بامعنی بھی۔ نئے عالمی نظام کا تصور یہی ہے کہ پوری دنیا پر امریکی قوم کا غلبہ اور بالا دستی قائم ہونی چاہیے۔

نیوورلڈ آرڈر کا مفہوم

موجودہ بین الاقوامی تعلقات میں نیو ورلڈ آرڈر کی اصطلاح کا کثرت سے استعمال خلیج کی جنگ کے بعد شروع ہوا۔ اس لیے عام تاثر یہی ہے کہ امریکہ نے خلیج کی جنگ میں عراق کی شکست کے بعد ایک نئے عالمی نظام کا نقشہ پیش کیا مگر حقیقت یہ ہے کہ نئے عالمی نظام کا تصور امریکہ کی خارجہ پالیسی میں اس وقت اُبھرا جب امریکہ اور روس نے جنیوا معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ جنیوا معاہدے پر دستخط کر دینے سے روس چالیس سال سے جاری سرد جنگ کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ گیا اور امریکہ واحد فاتح کی حیثیت سے ایک نئے دور میں داخل ہوا۔ دنیا میں Bi Polar نظام کی جگہ Uni Polar نظام نے لے لی اور امریکہ نے

---

① احمد سلیم: نیا عالمی نظام اور پاکستان، ص ۱۵

نیو ورلڈ آرڈر کی شکل میں پوری دنیا پر بلاشرکت غیرے اپنی حکمرانی اور سربراہی کے تصور کو عملاً ایک نظام بنانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ گویا نیو ورلڈ آرڈر سے امریکہ کی وہ خارجہ پالیسی مراد ہے جس کے تحت وہ پوری دنیا کے نظام کو اپنے فوجی، سیاسی اور اقتصادی مفادات وترجیحات کے تابع بنانا چاہتا ہے تا کہ وہ عرصہ دراز تک اپنی عالمی یکتائی کے زور پر بین الاقوامی سرمایہ داریت اور استحصالیت کو تحفظ دے سکے۔ ④

نیو ورلڈ آرڈر اور اس کے عزائم

صدر بش نے ۶ مارچ ۱۹۹۱ء میں خلیج کی جنگ میں کامیابی کے فوراً بعد دعویٰ کیا کہ اب ہم ایک نئی دنیا کو اپنی آنکھوں کے سامنے ابھرتا دیکھ رہے ہیں۔ صدر بش نے اپنے اس نظام کے خدوخال پر روشنی ڈالتے ہوئے مزید کہا:

> ''نئے عالمی نظام کے معنی یہ نہیں کہ ہم اپنی قومی حاکمیت سے دست کش ہو جائیں یا اپنے قومی مفادات کو بھول جائیں، یہ عالمی نظام دراصل صورت گری کرتا ہے اس ذمہ داری کی جو (خلیجی جنگ میں) اس کامیابی نے ہم پر عائد کی ہے۔ جارحیت کو روکنے اور استحکام، خوش حالی اور امن وآشتی کے حصول کے لیے دوسری اقوام سے تعاون کی نئی راہیں نکالنے سے۔ یہ نظام عبادت ہے، یہ ماحصل ہے اس امید کا جو بڑی اور چھوٹی اقوام کے درمیان ایک مشترک عزم پیدا کر رہی ہیں۔ اس کی منزل ایک ایسی دنیا ہے جہاں تنازعات کا حل پرامن ذرائع سے ہو، جہاں جارحیت کو قابو کیا جا سکے اور جس میں تمام انسانوں کے ساتھ انصاف کا سلوک ہو سکے۔'' ③

ان حسین لفظوں اور دل پسند دعووں کے ساتھ اس نئے عالمی نظام کی سب سے بڑی خصوصیت بھی امریکی حکمرانوں کی زبان پر آ گئی کہ اب صرف امریکہ ہی دنیا کی واحد سپر پاور ہے۔

---

④ پروفیسر طاہر القادری: نیو ورلڈ آرڈر اور عالمِ اسلام، ص ۹

③ پروفیسر خورشید احمد: امریکہ مسلم دنیا کی بے اطمینانی، ص ۲۲،۲۱

نیو ورلڈ آرڈر.................امریکی نقطہ نظر

امریکہ اور مغربی دنیا کے نقطہ نظر کے مطابق نیو ورلڈ آرڈر کو ہم کو درج ذیل نکات پر مشتمل قرار دے سکتے ہیں۔

- دنیا کے ہر ملک کو اپنی دفاعی اور فوجی قوت بڑھانے کے لیے اقوام عالم کی رضا مندی لینا ضروری ہوگا۔ یعنی اقوام عالم کے باہمی مشورے اور رضا مندی کے ساتھ ہر ملک کو اپنی طاقت بڑھانے اور شو آف پاور کی اجازت ہونی چاہیے۔
- اور کسی ملک کو آزادانہ طور پر اپنی فوجی قوت کو پراجیکٹ کرنے اور بڑھانے کی اجازت نہ ہوگی۔
- کسی ملک میں سیاسی دائرہ کار سے متعلق کسی قسم کی تبدیلی باضابطہ اور سیاسی طریقوں یعنی جمہوری طریقوں سے ہٹ کر نہ لائی جائے۔ یعنی ان طریقوں سے ہٹ کر کسی ملک کے اندر سیاسی جغرافیائی سرحدوں اور اس کے نظام میں تبدیلی نہ لائی جائے یعنی کہ ملکوں میں جمہوری اقدار کو فروغ دیا جائے۔
- تجارت کی بین الاقوامی مارکیٹیں اور مراکز کالونیوں پر کسی کا تسلط نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ان میں ہر ایک کو آنے جانے کی اجازت ہونی چاہیے اور اس میں فیصلہ کن حیثیت عوام کی بین الاقوامی مرضی کو ہونی چاہیے۔
- علاقائی مسائل اس طرح سے حل کیے جائیں کہ ملکوں کے درمیان آئندہ تنازعات پیدا نہ ہو سکیں اور نتیجتاً امریکی اور مغربی مفادات کو لاحق خطرات بھی دور ہو جائیں۔

متذکرہ نکات کے حوالے سے امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کا جائزہ لیں تو بظاہر اس کے مقاصد عالمی برادری کے لیے مفید اور تسلی بخش نظر آتے ہیں لیکن حقائق اس کے برعکس ہیں۔ امریکہ ملکوں کے معاملات اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتا ہے۔

نیو ورلڈ آرڈر کے بنیادی تین ستون

نیو ورلڈ آرڈر کے بنیادی تین ستون یہ ہیں۔

① جمہوریت ② انسانی حقوق ③ آزاد معیشت

جمہوریت کے فروغ اور انسانی حقوق کے تحفظ کے ضمن میں نیو ورلڈ آرڈر کے نعرے سے پہلے اور بعد میں امریکہ کا جو عملی کردار اور ریکارڈ رہا اس کے متعلق اخبارات اور رسائل میں کافی کچھ لکھا جا تا رہا ہے۔ گرینا ڈا' بوسنیا' الجزائر' کشمیر اور فلسطین وغیرہ کے متعلق مغربی ممالک امریکہ کی سرکردگی میں ظاہری اور خفیہ طور پر جو کچھ کرتے رہے ہیں اس سے نیو ورلڈ آرڈر میں جمہوریت اور انسانی حقوق کی کلی کھل جاتی ہے۔ مزید برآں گزشتہ تقریباً ربع صدی میں سلامتی کونسل میں استعمال ہونے والے

ویٹو کا تقریباً دو تہائی امریکہ نے استعمال کیے۔ اگر اس میں امریکہ کے قریب ترین اتحادی برطانیہ کے ویٹو بھی شامل کر لیے جائیں تو یہ تناسب اسی فیصد سے بھی اوپر چلا جاتا ہے اور یہ ویٹو استعماری مفادات کے تحفظ کے لیے استعمال ہوئے باقی رہا آزاد معیشت کا نظریہ تو اس ضمن میں ہمیں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ امریکہ سمیت دنیا کا کوئی بھی معاشی لحاظ سے ترقی یافتہ ملک ایسا نہیں جہاں ترقی اور نشو ونما کے ابتدائی مراحل میں قومی نجی شعبے کو حکومت کی طرف سے نگرانی یا رہنمائی اور تحفظ حاصل نہ رہا ہو۔ خود امریکہ میں بے پناہ وسائل کی موجودگی اور سائنس وٹیکنالوجی میں ترقی کے باوجود پچھلی صدی کے آخر تک مقامی صنعتوں کو تحفظات حاصل تھے۔ نیوورلڈ آرڈر کی آزاد معیشت کے بارے میں حکمت عملی یہ ہے کہ جو کچھ چند ایک ممالک حاصل کر چکے ہیں دوسرے ممالک کے لیے اس کے حصول کے راستے بند کر دیے جائیں۔

نیوورلڈ آرڈر کے ضمن میں سابق امریکی صدر نکسن کے ایک مضمون کا مندرجہ ذیل اقتباس بھی قابل غور ہے جسے امجد حیات ملک یوں لکھتے ہیں۔

> ''میں امریکہ، روس، یورپ، جاپان، چین اور بھارت کو پرزور طریقے سے کہتا ہوں کہ ان کا فائدہ اس میں ہے کہ وہ مسلم بنیاد پرستی کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خلاف اپنی طاقتیں یکجا اور مرکوز کریں۔ مسلم ملکوں کی فوجی حکمت عملی ان سب کی جغرافیائی پوزیشنیں، آبی، زرعی اور صنعتی وسائل کی فراوانی ان کی وسیع منڈیاں اور ان کی حالیہ ٹیکنالوجی میں کامیابیاں ایک نہ ایک دن عالم اسلام کی قوت بن سکتی ہیں جو (غیر مسلم) دنیا کے لیے ایک سنگین خطرہ بن جائیں گی۔'' [۴]

نئے عالمی نظام کا احاطہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ

- نئے عالمی نظام کا ضمیر دراصل عیسائیت سے اٹھتا ہے یا بالفاظ دیگر یہ صلیبی جنگوں کا تسلسل ہے جبکہ اسلامی دنیا سے منتشر ہے۔ موجودہ عیسائی دنیا اپنے سرپرست امریکہ کی زیر قیادت متحد ہے۔
- ثقافتی غلبہ اس نظام کا بھی خاصہ ہے جس کا آج بہت سے مسلمانوں کو سامنا ہے۔ مغرب جو ثقافت مسلمان نوجوان میں سرائیت کرنے کی کوشش کر رہا ہے وہ اسلام کے لیے ایک کھلم کھلا دھمکی کے مترادف ہے۔

---

۴ امجد حیات ملک: نیوورلڈ آرڈر، ص ۱۶

- نیا عالمی نظام مسلمانوں کی شہرت اور نسل کے قطع نظر اسلامی نظریاتی تحریکوں اور حکومتوں کو کمزور کرنے' تباہ اور تقسیم کر کے ان کو تیسرے درجے کا شہری بنانے والے تمام لوازمات پر مشتمل ہے۔
- واشنگٹن کے منصوبے اب کھل کر دنیا کے سامنے آ گئے ہیں۔ یہ سوال کہ امریکہ عراق کے خلاف اقوام متحدہ کی قرار دادوں پر عمل درآمد کیوں کروانا چاہتا ہے جبکہ فلسطین، کشمیر اور بوسنیا جیسے مسائل پر اسرائیل، بھارت، سربیا کے خلاف ان قراردادوں کو سالوں سے نظر انداز کرتا چلا آ رہا ہے ابھی تک جواب طلب ہے۔
- اس کا ایک اور مقصد مسلمانوں کی افرادی قوت اور مادی وسائل کا خاتمہ، تفاوت کو ہوا دینا' فرقہ واریت اور نسلی بنیادوں پر ان کا استحصال کرنا ہے۔

گو کہ نیو ورلڈ آرڈر بنیادی طور پر امریکہ نے شروع کیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء میں امریکہ کی چند اہم عمارتوں پر حملہ ایک بہانہ بنا ہے مغربی دنیا کے لیے اس بات کا کہ وہ زیادہ منظم انداز میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کام کر سکیں۔

خلاصہ بحث

نیو ورلڈ آرڈر جو ۱۱ستمبر کو ۱۹۹۰ء کو پیش کیا گیا صدر بش نے اس کے بڑے فوائد بیان کیے کہ اس سے جارحیت کو روکا جائے گا اور امن وآشتی کی فضا قائم کی جائے گی نیز تمام ممالک میں آزاد معیشت ہوگی جس سے یہ ملک معاشی طور پر ترقی کریں گے۔ تمام لوگوں سے انصاف کا سلوک روا رکھا جائے گا، لیکن ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ نیو ورلڈ آرڈر عالم اسلام کو منظّم طور ختم کرنے کی ایک سازش ہے جس کے ذریعے عالم اسلام کے وسائل پر قبضہ کرنا اور ان کی طاقت کو ختم کرنا مغربی دنیا کا مقصد ہے۔ افغانستان پر حملہ' کشمیر کے سلسلے میں بھارت کو امریکہ کی حمایت' فلسطین میں امریکہ کی اسرائیل نوازی اور عراق پر حملہ کی تیاریاں، امریکہ کے نیو ورلڈ آرڈر کی سازش ہی کا نتیجہ ہیں۔ اب امریکہ بھارت اور دیگر مغربی ممالک مسلمان ملکوں کے خلاف گٹھ جوڑ کر چکے ہیں اور یہ چیز مسلمانوں کے وقار کو بحال رکھنے اور ترقی کرنے میں بڑی رکاوٹ بن رہی ہے کیونکہ جب بھی کسی مسلمان ملک کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاشی اور ایٹمی لحاظ سے ترقی کر رہا ہے تو یہ چیز مغربی دنیا کو بے چین کر کے رکھ دیتی ہے اور وہ اس ملک کے خلاف کاروائی شروع کر دیتے ہیں۔

نیوورلڈآرڈراورعالم اسلام

آزمودہ فتنہ ہے ایک اور بھی گردوں کے پاس
سامنے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ

اسلامی دنیا کے خیال میں نیوورلڈ آرڈر کا اصل مقصد یہ ہے کہ امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور بن جائے اور دنیا بھر میں امریکہ کا عالمی قائدانہ کردار برقرار رہے۔اسلامی دنیا کے مطابق نیوورلڈ آرڈر کے عزائم مقاصد درج ذیل ہیں۔

▣ مسلمانوں کے خلاف عالمِ یہودیت کی بین الاقوامی سازشیں

یہ امر برحق ہے کہ نیوورلڈ آرڈر' درحقیقت عالمِ یہودیت اور عالمِ صیہونیت کی عالمِ اسلام کے خلاف ایک بین الاقوامی تیار کردہ سازش کا ماڈل اور ایڈیشن ہے۔نیوورلڈ آرڈر کا اصل مقصد یہی ہے کہ امتِ مسلمہ کا وجود ختم کر کے امریکہ واحد سپر پاور بن جائے اور کوئی بھی اس کے خلاف سر اٹھانے کی جرات نہ کر سکے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لّفسدت الارض ولكنّ الله ذو فضلٍ على العٰلمين﴾[۵]

''اگر اسی طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے ہٹاتا نہ رہتا تو
زمین کا نظام بگڑ جاتا لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔''

فطرت کے اس قانون کی روشنی میں یہودیوں کی عالمگیر حکومت کو بھی وجود میں نہ آ سکے گی اور یہ خواب ہمیشہ ایک ہی رہے گا۔امریکہ کا یہ زعم کہ اسے عالمی حاکمیت کا منصب مل جائے ،زعم باطل ثابت ہوگا اس کی یہ فکر اس کے زوال کا نقطۂ آغاز ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ جب کسی کے دماغ میں "انا ربكم الاعلىٰ"یا "انا و لا غيری"کا خناس سمایا،دریا بُرد ہونا اس کا مقدر ٹھہرا ہے،اب زوال امریکہ ہی کے حصے میں آنا ہے۔[۶]

اسد سلیم شیخ لکھتے ہیں

''اگر نیوورلڈ آرڈر کے نکات کو سطحی نظر سے دیکھیں تو ان نکات میں بظاہر کوئی خامی نظر

---

⑤ البقرۃ:۲۵۱

⑥ ہفت روزہ ''تکبیر''ص ۱۱

نہیں آتی، مگر بنظرِ غائر مطالعہ کرنے سے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ آرڈر کلیتاً اسلام دشمنی پر مبنی ہے اس کا مقصد صرف اور صرف عالمِ اسلام کا معاشی استحصال ہے۔"[7]

اسلامی تحریکوں کو کچلنا

نیو ورلڈ آرڈر کا اصل مقصد یہی ہے کہ دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی اسلامی تحریکیں اُٹھ رہی ہیں ان کو کچل دیا جائے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے امریکہ طرح طرح کے حربے آزماتا رہتا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ ج﴾[8]

"اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم انہیں خبریں دیتے ہو دوستی سے حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق سے جو تمہارے پاس آیا"۔

کفر نے اسلام پر غلبہ پانے کے لیے ہمیشہ دو حربے استعمال کیے ہیں۔

- مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی روح سے بیگانہ کرنا' اور اسلامی تہذیب وتمدن کو ختم کر کے مغربی تہذیب لانا۔
- اسلامی امہ کی صفوں میں انتشار وافتراق پیدا کرنا۔

مسلم دشمنی پر مبنی یہی "فکر" نام نہاد نیو ورلڈ آرڈر کی بنیاد ہے۔ اس سے اندازہ کر لیں کہ مغرب اور کفر اسلامی انقلاب کے امکان (جسے وہ بنیاد پرستی کی لہر کہتے ہیں) اور مسلمانوں کے اتحاد سے کس قدر لرزاں ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ کمیونزم کے زوال کے بعد امریکہ اور مغرب اسلامی انقلاب کو اپنے لیے خطرہ سمجھتے ہیں اور اسی خطرہ کے سدّ باب کے لیے انہوں نے نیو ورلڈ آرڈر تشکیل دیا۔[9]

گویا نیو ورلڈ آرڈر، دنیا بھر میں اٹھتی ہوئی اسلامی تحریکوں کو کچلنے اور پوری دنیا پر امریکی تسلط قائم کرنے کا نام ہے۔

---

[7] اسد سلیم شیخ: اسلامک ورلڈ آرڈر

[8] الممتحنۃ: ۱

[9]

اقتصادی عزائم

اقتصادی لحاظ سے امریکہ کو اندرونِ ملک اور بیرون ملک کئی چیلنجوں کا سامنا ہے، عالمی تجارت میں اس وقت شدید مقابلے کی کیفیت ہے۔

''حالیہ خلیجی جنگ اور اس کے بعد تعمیرِ نو کے کام سے امیرکی اقتصادیات کو ٹیکہ تو لگ گیا ہے اور اس کی حالت کچھ سنبھلی تو ہے لیکن جو حالات امریکہ کی معاشیات کے ہیں ان کے تناظر میں صرف ٹیکے سے کام نہیں چلے گا بلکہ امریکہ کی اقتصادی حالت بہتر رکھنے کے لیے ایک مسلسل ڈرپ کی ضرورت ہے جو فی الحال اسے میسر نہیں۔ چونکہ امریکی معیشت دیوالیہ پن کا شکار ہے اور امریکہ کے بڑے بڑے بنک خسارے کا شکار ہیں اس لیے وہ چاہتا ہے کہ نیو ورلڈ آرڈر کے تحت تجارت کی بین الاقوامی منڈیوں کا کنٹرول بھی امریکہ اور بین الاقوامی طاقتوں کے ہاتھ چلا جائے یعنی اقوامِ عالم کی انفرادی آزادیاں بھی ختم ہو جائیں اور وہ خود جہاں چاہیں منڈیوں میں وسائل حاصل کریں''۔ (۱۰)

سیاسی عزائم

چاہے مارشل پلان ہو یا بُش کا نیا عالمی نظام، غرض و غایت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ دونوں کا مقصد، دنیا پر امریکہ کے غلبے کو جاری رکھنا اور امریکی مفاد سے مزاحم کسی قوت کو سختی سے دبا دینا ہے۔ امریکی کانگرس میں ''صدر بش'' کے بیان سے (''ہم سرد جنگ جیت چکے ہیں'' امریکہ جو ابھی تک یورپ کا لیڈر تھا' اب ساری دنیا کا لیڈر بن گیا) امریکہ کے عزائم اور نیو ورلڈ آرڈر کے خدوخال کی پوری طرح عکاسی ہوتی ہے''۔ (۱۱)

امریکہ چاہتا ہے کہ امریکی صدر بالواسطہ طور پر تمام دنیا کا صدر بن جائے اور وہ اپنی پالیسی اقوامِ متحدہ کے ذریعے تمام دنیا پر نافذ کرے گا۔ یہ نیو ورلڈ آرڈر کا خلاصہ ہے اور اس کی بنیاد یہ بنائی جائے گی کہ طاقتور قومیں کمزور قوموں کی آزادی اور حقوق

(۱۰) مارشل پلان سے بش نظام تک، سہ روزہ دعوت

(۱۱)

کوسلب کر لیتی ہیں لہٰذا جب تک ان کے اقتدارِ اعلیٰ پر چیک نہ لگایا جائے گا اس وقت تک کمزور قوموں کا تحفظ ممکن نہیں۔ یہ صرف بہانہ ہے اس بنیاد پر اقتدارِ اعلیٰ کے بین الاقوامی تصور میں تبدیلی کی جائے گی اس طرح امریکہ کی یہ خواہش ہے کہ بالواسطہ طور پر اقوامِ متحدہ کے ذریعے تمام ممالک کے فوجی، اقتصادی اور سیاسی معاملات میں مداخلت کا حق حاصل کرے۔ سیاسی نظام سے متعلق نکات کے ذریعے دنیا بھر میں قومی سالمیت اور اپنے تشخص کی بحالی کے لیے چلنے والی تحریکوں کی کامیابی کو روکنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ وہی تبدیلی قابلِ قبول ہو سکے جسے اقوامِ متحدہ کی تائید حاصل ہو۔ [۱۲]

▣ مسلم ممالک کو ایٹمی طاقت سے محروم کرنا

نیو ورلڈ آرڈر کا اہم مقصد یہ ہے کہ مسلمان ممالک کو ایٹمی طاقت سے محرم کر دیا جائے۔ نیو ورلڈ آرڈر میں کہا گیا ہے کہ ایٹمی ہتھیار دنیا سے ختم کر دیئے جائیں۔ مگر دوسری طرف اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے اسرائیل کو ایٹمی ہتھیاروں کی سپلائی کی جارہی ہے اور اسے اربوں ڈالر کی امداد بھی دی جارہی ہے، اسرائیل کو تو مدد دی جارہی ہے مگر پاکستان کو امداد بند کر دی گئی ہے۔

چین نے پاکستان اور الجزائر کے ساتھ جدید اسلحہ اور میزائل دینے کا معاہدہ کیا لیکن امریکہ نیو ورلڈ آرڈر کے تحت چین پر ہر ممکن دباؤ ڈال رہا ہے کہ اس معاہدے کو منسوخ کر دیا جائے جبکہ دوسری طرف اسی وقت بھارت اور اسرائیل پر سے پابندی اٹھائی جارہی ہے۔

اسی طرح مغربی جرمنی نے ایران کو ایٹمی پاور پلانٹ دینے کا معاہدہ کیا ایران رقم کی ادائیگی بھی کر چکا تھا مگر اس کے باوجود باوجود امریکہ نے جرمنی پر دباؤ ڈال کر ایران کے ساتھ اس معاہدے کو منسوخ کرا دیا۔

پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف پریسلر ترمیم استعمال کی جاتی ہے جبکہ بھارت پر سے نہ صرف پابندی اٹھائی جارہی ہے بلکہ اس کے ساتھ دفاعی معاہدے کی تیاریاں ہورہی ہیں۔ اب سوچنا یہ ہے کہ ایران' پاکستان اور الجزائر کا کیا جرم ہے کہ امریکہ ان پر تو ایٹمی ہتھیار کی پابندی عائد کرتا ہے اور بھارت اور اسرائیل کو ہر طرح کی چھوٹ دی جارہی ہے؟ وجہ صرف یہ ہے کہ یہ دونوں اسلام دشمن ہیں اس لیے انہیں چھوٹ ہے جبکہ پاکستان الجزائر اور ایران اسلامی ممالک ہیں گویا اس نیو ورلڈ آرڈر کا بنیادی مقصد ہی مسلمان ممالک کو ایٹمی طاقت سے محروم کرنا ہے۔ [۱۳]

---

(۱۲) طاہر القادری: نیو ورلڈ آرڈر یا عظیم اسرائیل، خصوصی اشاعت

(۱۳) روز نامہ جنگ، لاہور

امن عالم کے لیے خطرہ

اگست ۱۹۹۰ء میں جب عراق نے کویت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا تو امریکہ نے اپنی تمام تر قوت عراق کے خلاف استعمال میں لانے کے لیے خلیج میں جمع کر لی بظاہر اس کا مقصد کویت کو آزاد کرانا تھا۔ مگر اس سے بھی زیادہ وہ عراق کی تباہی کا خواہشمند تھا چنانچہ جنگ کے دوران جس طریقے سے عراق کے ٹھکانوں پر امریکی اور اتحادی طیاروں نے بمباری کر کے تباہی و بربادی پھیلائی اس سے بالکل واضح ہو گیا کہ امریکہ کویت کی آزادی سے زیادہ عراق کی تباہی کا خواہشمند تھا۔ یہ کیسا امن ہے جسکا امریکہ خواہش مند ہے اس کا واضح ثبوت مستقل جنگ بندی کے لیے اقوام متحدہ میں پیش کی جانے والی امریکی قرارداد بھی ہے جس میں عراق سے اس کے اسلحہ کو تباہ کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ دراصل امریکہ چاہتا ہے کہ وہ کیمیاوی جراثیمی اور ایٹمی اسلحہ کی پابندی کو پورے علاقہ کی بجائے صرف عراق تک محدود رکھ کر اسرائیل کو مضبوط کر دے تا کہ مشرق وسطیٰ میں اس کے ذریعے مفادات کو محفوظ رکھ سکے۔[۱۴]

امریکہ کے امن کے منصوبے کی کیا حقیقت ہے ایک طرف تو وہ ایٹمی ہتھیاروں پر پابندی کی بات کرتا ہے تا کہ دنیا میں امن قائم ہو جائے دوسری طرف اسرائیل کی کل دفاعی قوت کا دو تہائی خرچہ خود اٹھانے کا وعدہ کر رکھا ہے یعنی یہ امن عالم قائم ہو رہا ہے۔ اسرائیل نے مشرق وسطیٰ میں امن قائم کرنے کے لیے امریکہ سے دس ارب ڈالر کی امداد مانگی تھی۔ کیا امن دس ارب ڈالر سے قائم ہو جائے گا؟ دراصل اسرائیل یہ چاہتا ہے کہ اسے اتنا طاقتور بنا دیا جائے کہ مشرقِ وسطیٰ کے ارد گرد کوئی طاقت اس کے برابر نہ ہو تب امن قائم ہو گا یعنی مسلمانوں سے اسلحہ چھین کر مجھے اسلحہ سے لیس کر دو۔[۱۵]

ہوا فاش اس طرح رازِ فرنگ
کہ حیرت میں ہے بشیشہ باز مزنگ

---

۱۴) اسلامک ورلڈ آرڈر، ص ۱۸۱

۱۵) روزنامہ جنگ، لاہور

تم نے کمزور سی اقوام کو کچلا 'روندا		سینہ وقت پہ دہشت کے نئے ابواب لکھے
تم نے سوچا تھا کہ خوکام کیے جاؤ گے		کبھی مظلوم تمہیں کچھ بھی نہیں کہہ سکتے
دیکھ لو کیسے زمین بوس ہوئے ٹاور کبر		موت بانٹو گے تو خود زندہ نہیں رہ سکتے
یہ وہ آتش دہشت ہے تم اس کی زد میں ہو		خود جو آئے تو پھر چیخ اٹھتے ہو کیسے
المیوں سے جنہیں دوچار کیا تم نے		مری جان ہوتی ہے تکلیف انہیں بھی ایسے
اپنی پالیسیاں تبدیل کرو چارہ گرو		کرۂ ارض کو تدبیر بچا سکتی ہے [۱۶]

---

۱۶ روزنامہ نوائے وقت، لاہور

باب ششم

اُمتِ مسلمہ کے مسائل کا حل......تجاویز

اُمتِ مسلمہ کے مسائل کا حل......تجاویز

پیرِ مغاں! فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر
اس میں وہ کیفِ غم نہیں، مجھ کو تو خانہ ساز دے
تجھ کو خبر نہیں ہے کیا! بزمِ کُہن بدل گئی
اب نہ خدا کے واسطے ان کو مئے مجاز دے

(اقبالؒ)

امتِ مسلمہ کے مسائل کا حل......تجاویز

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک بہت سے انبیاء کی امتیں گزریں لیکن امتِ مسلمہ کو ان تمام امتوں پر ایک امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔اس امت کو کتاب اللہ کی وارث ہونے کے ساتھ ساتھ ''خیرامۃ'' اور ''امت وسط'' کے القاب سے نوازا گیا ہے۔امتِ مسلمہ کی اس مخصوص حیثیت کا ایک مخصوص تقاضا بھی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ''خیرامۃ'' کا ذکر کر کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ذکر بھی کیا ہے۔یعنی امتِ مسلمہ کا خیر امت ہونے کا وصف امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر منحصر ہے۔اگر یہ وصف امتیازی ان سے جاتا رہے تو پھر وہ خیر امت کے شرف سے بھی محروم ہو جائیں گے۔جب تک مسلمانوں نے ان شرائط اور اصولوں کا دامن تھامے رکھا وہ عالمِ انسانی پر خدا کے نائب کی حیثیت سے حکومت کرتے رہے لیکن جب ان اصولوں اور اقدار سے پہلو تہی اختیار کی تو لاتعداد مسائل کی آماجگاہ بن گئے۔

مسلمانوں کے زوال کے اسباب کے تجزیئے سے واضح ہے کہ مسلمانوں میں بے شمار خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ دنیا میں کوئی واقعہ اور حادثہ بلا وجہ ظہور پذیر نہیں ہوتا، ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دنیا کا ہر حادثہ اپنے پہلو میں عبرت وموعظت کا درس لیے ہوتا ہے اور دنیا میں ہر ٹھوکر سنبھلنے کے بعد لگتی ہے۔لہذا کامیابیاں انہیں قوموں کے مقدر میں ہیں جو ان ٹھوکروں سے سبق سیکھتی ہیں۔

مسلمانوں کا شمار انہیں لوگوں میں ہوتا ہے جو گر کر سنبھلنا جانتے ہیں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ مغربی تہذیب عالمِ انسانی کے مسائل حل کرنے میں قطعی طور پر ناکام رہی ہے۔مغربی تہذیب کے پردے کے پیچھے جو چنگیزیت چھپی ہوئی ہے وہ اب ثابت ہو چکی ہے،اس تہذیب نے مسلمانوں کو دکھتے ہوئے زخموں کے سوا کچھ نہیں دیا اگرچہ مسلمان اسلام سے بہت دور ہو چکے ہیں لیکن ابھی یہ راستہ کھویا نہیں،منزل آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوئی،اس تھکے ماندے کارواں کو منزلِ مقصود تک پہنچانے اور راستے میں لٹیروں سے بچانے کے لیے امیرِ کارواں کو جگانا ہوگا۔اقبالؒ کہتے ہیں:

ہر نفس ڈرتا ہوں اس موت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس دن کی احتساب کائنات

لہذا امتِ مسلمہ کو اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی عملی اور علمی زندگیوں میں سرِ لحاظ سے دین اسلام کو اپنی زندگیوں پر لاگو کریں تاکہ وہ اپنا کھویا ہوا وقار دوبارہ حاصل کریں۔

زیر بحث باب میں ان تجاویز کو بیان کیا گیا ہے جن کو اپنانے سے ہم اپنے کھوئے ہوئے وقار کو دوبارہ پانے میں کافی حد تک کامیاب ہو سکتے ہیں۔

فرقہ واریت کا خاتمہ

اس وقت امتِ مسلمہ کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ انہیں فرقہ واریت کا شکار بنا دیا گیا ہے۔فرقہ واریت کے خاتمے کے بغیر امتِ مسلمہ میں اتحاد و اتفاق پیدا نہیں ہوسکتا جو ان کی ترقی کے لیے ضروری ہے۔شاہ حسین رزاقی لکھتے ہیں:

''مجھے آج یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ہم سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی تو ہیں مگر برادرانِ یوسف کے مثل ہیں۔آپس میں دوستی ومحبت، یک دلی اور یک جہتی بہت ہی کم ہے،حسد وبغض اور عداوت کا برا اثر ہر جگہ پایا جاتا ہے جس کا نتیجہ آپس کی نا اتفاقی ہے۔'' ①

ذرائع ابلاغ کی اصلاح

ذرائع ابلاغ معاشرے میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ذرائع ابلاغ کسی معاشرے کی تعمیر و ترقی میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں لہذا ان کا کردار ایسا ہونا چاہئے کہ وہ اسلامی تعلیمات کی ترویج اور اشاعت میں معاون ثابت ہوں۔لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ دورِ حاضر میں ذرائع ابلاغ وہ کردار ادا نہیں کر رہے جو ایک مسلم معاشرے میں انہیں ادا کرنا چاہئے۔اسلام کا قانونِ صحافت میں لکھا ہے۔

''قوم اس وقت زبردست بحران میں مبتلا ہے مگر ذرائع ابلاغ عامہ کا کردار ناگفتہ بہ ہے۔اس سلسلہ میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں کی اصلاح کی جائے ضرورت اس بات کی ہے کہ ذرائع ابلاغ پوری قوم کو اعتماد میں لیں اور فحاشی،عریانی اور کھیل تماشوں کی ضرورت سے زیادہ تشہیر سے اجتناب کریں نیز وقت اور حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پروگراموں میں مناسب تبدیلی کریں۔'' ②

---

① شاہ حسن رزاقی:سرسید اور اصلاح معاشرہ،ص ۱۹۸

② ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی:اسلام کا قانونِ صحافت،ص ۲۰۱

مسلم ممالک کے ذرائع ابلاغ غیر مؤثر ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے بے خبر ہیں اور ان کے درمیان باہمی خبر رسانی اور مواصلات کا کام وہ ایجنسیاں کرتی ہیں جو ہمارے دشمن ملک نے قائم کر رکھی ہیں۔اب ضرورت اس امر کی ہے کہ غیر ملکی خبر رسانی پر انحصار کرنے کی بجائے خود مل کر ایسے اقدامات کریں کہ تمام مسلم ممالک میں رابطہ ہو سکے۔

تعلیمی اصلاحات

آج ہمارا ایک بڑا مسئلہ تعلیمی ترقی اور اصلاحات کا بھی ہے یہ ایک حیثیت سے دوسرے سب مسائل کی بنیاد ہے۔ اسلام میں تعلیم وتعلم کو جو اہمیت دی جاتی ہے وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

مسلم ممالک کی ایک بڑی بدقسمتی یہ بھی ہے کہ وہاں مختلف اور متضاد نظامِ تعلیم چل رہے ہیں،قدیم وجدید ہر طرح کے بارے میں تعلیم دی جاتی ہے۔قدیم دینی تعلیم میں دنیاوی امور کے بارے میں کوئی علم نہیں دیا جاتا اور جدید نظامِ تعلیم دینی علوم سے بڑی حد تک خالی ہے۔اس کا نتیجہ ذہنی طور پر منتشر نسل کی صورت میں سامنے آ رہا ہے جیسا کہ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

''یہ دو نظام اور دو مختلف اور متضاد ذہن رکھنے والی نسلوں کو تیار کر کے ایک کشمکش کو جنم دے رہے ہیں اور استعماری طاقتوں کے مفید مطلب عناصر کو تیار کر رہے ہیں۔''[۳]

اگر عالم اسلام کی خواہش ہے کہ نئے سرے سے وہ اپنی زندگی شروع کرے اور غیروں کی غلامی سے آزاد ہو،اگر وہ عالمگیر قیادت حاصل کرنا چاہتا ہے تو صرف تعلیمی خود مختاری ہی نہیں بلکہ علمی لیڈر شپ بھی بہت ضروری ہے اور یہ کوئی آسان کام نہیں۔یہ مسئلہ بہت گہرے غور وخوض کا محتاج ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وسیع پیمانے پر تصنیف وتالیف کی جائے اور علوم کی تدوین جدید کا کام شروع کیا جائے۔

اسلامی تہذیب کا احیاء

دورِ حاضر میں مسلمان مغربی تہذیب کی طرف تیزی سے مائل ہو رہے ہیں مرد وعورت دونوں مغربی تہذیب کو اپنانے میں مگن ہیں،ان کا رہن سہن،اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ غرض ہر چیز مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے حالانکہ یہ تہذیب ایسی ہے کہ اس نے نہ صرف انسان کو سماجی قدروں سے باغی کیا ہے بلکہ سکون بھی چھین لیا ہے۔خاص طور پر مغربی زندگی کے مرض نے مشرقی اقدار کے استہزاء کا رنگ اختیار کر کے عورت کو اس کے فطری اور معاشرتی مقام سے نیچے گرا دیا ہے۔

---

[۳] مولانا مودودیؒ:عصر حاضر میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل،ص ۹۵

اسلامی تہذیب کے احیاء کے بارے میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں۔

''مسلمان ممالک کو پوری سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ اپنے ہاں اسلامی تہذیب اور فروغ کی فکر کی کوشش کرنی چاہیئے آج تہذیبی میدان میں ہم بڑے عظیم خطرات میں گھرے ہوئے ہیں اور یہ وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ اسلامی تہذیب اور اسلامی روایات کو مضبوط تر کیا جائے اور غیر مسلم تہذیبوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے مضبوط بند باندھے جائیں۔'' [۴]

اتحادِ عالم اسلام

عالمِ اسلام اس وقت اضطراب اور انتشار کا شکار ہے مسلمانوں میں اتفاق واتحاد کا فقدان ہے۔مسلمان اپنا مشترکہ نصب العین مقرر کرنے کا شعور نہیں رکھتے مختلف اسلامی ممالک کے باشندوں کی تمام تر وفاداریاں صرف اپنے ملک تک ہی محدود ہیں دوسرے اسلامی ممالک میں چاہے کچھ بھی ہو یا وہ کسی قسم کے مسائل میں مبتلا ہوں ان کی مدد نہیں کی جاتی۔اس خودغرضی نے مسلمانوں کی وحدت کا شیرازہ بکھیر دیا ہے مسلمانوں کو اپنی آزادی اور سلامتی کو برقرار رکھنے اور دوبارہ اپنا وقار حاصل کرنے کے لیے لازم ہے کہ آپس کی نفرت کو ختم کر کے باہم اتحاد و تنظیم سے ایک ناقابلِ تسخیر قوت کے طور پر ابھریں۔

بقول تقی امینی:

''دنیا کے نقشے پر نظر ڈال کر دیکھئے قدرت نے عالمِ اسلام کو جغرافیائی اعتبار سے کس طرح ایک لڑی میں پرو رکھا ہے۔دنیا کی کیسی کیسی اہم شاہرائیں ان کے قبضے میں ہیں، کیسے کیسے قدرتی وسائل انہیں میسر ہیں، انسانی وسائل کے اعتبار سے وہ کتنے مالا مال ہیں کہ زمین کے بالکل بیچوں بیچ واقع ہونے کی وجہ سے پوری دنیا کا دل کس طرح ان کے ہاتھ میں ہے۔اگر قدرتی انعامات اتحاد و تنظیم کے ساتھ کام میں لائے جائیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنا جائز مقام حاصل نہ کر سکیں۔'' [۵]

---

۴ عصرِ حاضر میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل، ص ۹۵

۵ تقی عثمانی: عصرِ حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو، ص ۵۹۷

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

(اقبالؒ)

جہاد فی سبیل اللہ

تاریخ عالم پر طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ جب تک امتِ مسلمہ میں جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ بیدار رہا وہ شوکت و عظمت سے ہمکنار رہی اور اسے دنیا پر غلبہ حاصل رہا۔ جہاد اللہ کے دین اور اس کی اعلیٰ قدروں کو فروغ دینے کی جدوجہد اور اس مقصد کے لیے سختیاں اور قربانیاں دینے کا نام ہے۔ عصرِ حاضر میں مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ سرد پڑ چکا ہے اور اسے دہشت گردی کا نام دے کر ختم کیا جا رہا ہے۔

> ''اس وقت پوری دنیا میں حزب الشیطان کی طرف سے جو ''دہشت گردی'' کا زور و شور سے پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے اور سارا الزام مسلمانوں پر دھرا جا رہا ہے اس کے پیچھے اصل معاملہ یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ دینِ اسلام میں ایک ایسا چوٹی کا عمل ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ حزب الشیطان پر مسلمانوں کی ہیبت اور دہشت بیٹھا دیتا ہے جس سے مرعوب ہو کر وہ شور مچانا شروع کر دیتے ہیں۔'' [۶]

آج امتِ مسلمہ کی حالت ایسی ہی ہے کہ ان پر زندگی تنگ کی جا رہی ہے اور بے جا ظلم و تشدد کیا جا رہا ہے مثلاً کشمیر، فلسطین، بوسنیا، چیچنیا اور افغانستان وغیرہ میں ظلم و ستم صرف مسلمانوں کی جانوں پر نہیں ہو رہا بلکہ انہیں ہر طرح سے تباہ و برباد کرنے کا کام کیا جا رہا ہے، یہ عالمِ اسلام کا بہت بڑا چیلنج ہے۔ بقول ابوالحسن ندویؒ:

> ''اب دیکھنا یہ ہے کہ کونسا اسلامی ملک اس کارِ عظیم کی ہمت کرتا ہے جس سے زیادہ انقلاب انگیز عہد آفریں اور حیات بخش کوئی اس دور میں نہیں ہو سکا......اس میں ذہانت و جرات کا جو عنصر اور حیاتِ آفرینی و انقلاب انگیزی میں جو صلاحیت مضمر ہے۔

---

۶ ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد: ہشت گردی اور جہاد فی سبیل اللہ، ماہنامہ الاخوۃ

اوراس سے نہ صرف ان ممالک میں جس میں یہ تجزیہ کیا جائے گا اور اراستی وسلامتی کی جوراہ ملے گی ...... یہ کارِ عظیم صرف وہی اقوام اور وہی جماعتیں اور افراد انجام دے سکتے ہیں جو ملت ابراہیمی کے حلقہ بگوش ہیں اور جو تکمیل دین اور ختم نبوت کے انعام سے سرفراز ہو چکے ہیں۔آج عالم اسلام کے تمام قائدین کے لیے ہی ''سردراز لی'' ہے جس سے قرن اول کے مسلمانوں کے کان آشنا ہوئے۔''⑦

مسلمان اس وقت اہل مغرب کی جن سازشوں کا شکار ہیں ان سے نجات حاصل کرنے اوران کی تمام سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کی اشد ضرورت ہے۔

مذہبی اصلاح

مسلمانوں میں جو معاشرتی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں ان کا اہم اور بنیادی سبب یہ ہے کہ انہوں نے ایسے عقائد ونظریات اختیار کر لیے ہیں جو درحقیقت اسلامی تعلیمات کے برعکس ہیں۔لیکن دین سے ناواقفیت کی بناء پر مسلمان ان کو دین کا اہم اصول تصور کرتے ہیں اس قوم میں بہت سی ایسی رسوم ہیں جو قانونِ اسلام اور ترقی واصلاح کے لیے عقائد ونظریات کو درست کرنا نہایت ضروری ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

''غیر اسلامی قدامت کے جنگل کو صاف کر کے اصلی اور حقیقی اسلام کی شاہرہ مستقیم کو نمایاں کیا جائے دوسری طرف مغربی علوم وفنون اور نظامِ تہذیب وتمدن پر تنقید کر کے بتایا جائے کہ اس میں کیا کچھ غلط اور قابل ترک ہے اور کیا کچھ صحیح اور قابل اخذ ہے۔ اور تیسری طرف وضاحت کے ساتھ یہ دکھایا جائے کہ اسلام کے اصولوں کو زمانہ حال کے مسائل ومعاملات پر منطق کر کے ایک صالح تمدن کی تعمیر کس طرح ہوسکتی ہے اور اس میں ایک ایک شعبہ زندگی کا نقشہ کیا ہوگا؟''⑧

---

⑦ ابوالحسن ندویؒ: مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص ۳۱۵

⑧ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: مسلمانوں کے ماضی، حال اور مستقبل کے لیے لائحہ عمل، ص ۴۷

معاشی ترقی

جب تک عالمِ اسلام تجارت اور سیاست میں مغرب کا محتاج رہے گا مغرب مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کی سکیمیں سوچتا رہے گا۔ مسلمان ملکوں کا حال یہ ہے کہ وہ مغربی ممالک سے قرضہ لیتے ہیں اور پھر ان کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ انہیں سود بھی دینا پڑتا ہے اس وجہ سے قرضہ تو ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے لیکن سود بڑھتا رہتا ہے۔ مسلم ممالک کی معاشیات کا جو حال ہے اس بارے میں یوسف قرضاویؒ لکھتے ہیں:

''افریقہ میں کتنے ہی مسلمان ملک ہیں جہاں لوگ راہوں میں پڑے پڑے فاقوں مر جاتے ہیں انسانوں اور کھیتوں کو پیاس سے مرنے اور مرجھانے سے بچانے کے لیے منصوبہ بندی ہو تو کنویں کھودے جا سکتے ہیں ٹیوب ویل نصب ہو سکتے ہیں بہت کچھ کیا جا سکتا ہے لیکن کرنے والا کوئی نہیں''۔ ⑨

زکوٰۃ کے بارے میں لیاقت علی خان کہتے ہیں۔

''زکوٰۃ کے نظام میں اصلاح کی ضرورت ہے زکوٰۃ کو اس کے مصارف کے مطابق خرچ کیا جائے زکوٰۃ میں بد دیانتی بدترین قسم کی زیادتی اور گناہ کبیرہ ہے۔ بیت المال میں سے بھی ضرورت مندوں کی کفالت کی جائے............ ہر سال زکوٰۃ کی رقم ضائع ہو جاتی ہے جس سے بیوگان اور حاجت مندوں کو جو رقم دی جاتی ہے وہ کم ہو جاتی ہے۔'' ⑩

زکوٰۃ کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ کوئی شخص بھی اپنی رقم بے کار پڑی نہیں رہنے دے گا کیونکہ اس طرح وہ زکوۃ دے دے کر ختم ہو جائے گی لہذا وہ اس کو کاروبار میں لگائے گا جس سے قومی ترقی ہوگی۔

مسلمان عورت کی دینی تربیت

عالم اسلام کے لیے ایک بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ آج عورت کی دینی تربیت اس انداز سے نہیں کی جا رہی جیسے ہونی چاہئے

---

⑨ ڈاکٹر یوسف قرضاوی: امت مسلمہ کا بگاڑ اور علاج، ص ۱۴

⑩ لیاقت علی خان نیازی: دورِ جدید کے مسائل اور ان کا حل، ص ۱۷۵

اگر مرد حضرات اسلامی معاشرے کے لیے گراں قدر فرائض سرانجام دیں تو اسلام کا مطالبہ خواتین سے بھی اتنا ہی پر زور ہے جتنا مردوں سے۔ دین پر ایمان کے اصولوں کو عملاً اختیار کرنے سے غلبہ دینے اسے اجتماعی زندگی میں نافذ کرنے کے پورے پروگرام میں عورتیں مردوں کے ساتھ برابر کی شریک ہیں پھر غیر اسلامی افکار و اعمال کا جو تسلط ہر طرف پھیلا ہوا ہے اور اجتماعی زندگی کے نظام میں کافرانہ اثرات جس بری طرح سے گھس گئے ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے ہم لوگ اس کے محتاج ہیں کہ ایک ایک مرد ایک ایک عورت اور ایک ایک بچہ اسلامی انقلاب کو مکمل کرنے کی جدوجہد میں شریک ہو۔

> ''ہر عورت کسی نہ کسی خاندان کے کارخانہ انسان سازی کی انچارج ہوتی ہے یا انچارج بننے والی ہوتی ہے اور سوسائٹی کو جس قسم کے آدمی مطلوب ہوتے ہیں وہ اس قسم کے انسان کو تعمیر کرنے کے لیے گھر کی فضا کو ایک خاص انداز میں مرتب کرتی ہے پھر ان کے اخلاق کی تعمیر کرتی ہے جس کا مطالبہ رائج الوقت نظام کرتا ہے۔'' (۱۱)

پس لازم ہے کہ عورت کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کی جائے کہ وہ معاشرے میں اچھے شہری پیدا کر سکے دین اسلام کی پوری تعلیم حاصل کر کے اپنے حقوق و فرائض سے بہرہ ور ہو اس میں حق کو حق کہنے اور باطل کو باطل کہنے کی ہمت پیدا ہو۔

شعور کی تربیت

عالم اسلام کی ایک بڑی ضرورت اور اس کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ امت کے مختلف طبقات اور عوام میں صحیح شعور پیدا کیا جائے یہ ضروری نہیں کہ تعلیم کی اشاعت اور تعلیم یافتہ افراد کی کثرت سے عوام میں شعور بھی موجود ہو۔ بقول سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

> ''کامیابی اور عزت نفس انہیں افراد کے حصہ میں آتی ہے جو ابتداء سے کسی نہ کسی مقصد کا شعور رکھتے ہیں اور اس کے حصول میں زندگی کی دوسری دلچسپیوں کو قربان کرنے پر آمادہ رہتے ہیں وہ شخص جو کوئی معین مقصد نہیں رکھتا یا جسے اپنے مقصد کا پورا پورا شعور نہیں ہوتا کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔'' (۱۲)

---

(۱۱) نعیم صدیقی: عورت معرض کشمکش، ص ۷۶

(۱۲) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ: اسلام کا اخلاقی نقطہ نظر، ص ۱۶

جب تک مسلمان مغرب کی تقلید کرتے رہیں گے اور اپنی تہذیب کو نہ اپنائیں گے وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتے اس وقت مسلمانوں میں ایسا شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو صحابہ کرامؓ میں تھا اور جس کی بدولت انہوں نے نبی کریم ﷺ کی قیادت میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔

حرفِ آخر

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

(اقبالؒ)

حرفِ آخر

آج عالمِ اسلام ایک پرُ آشوب دور سے گزر رہا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں پستی اور تنزل کے گھنے سائے چھائے ہوئے ہیں، لاتعداد عمومی مسائل ہماری جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں، آج کا انسان سائنس کی نت نئی ایجادات کے باوجود روحانی و اعتقادی طور پر مفلس اور قلاش ہے۔

عقلی وفکری طور پر مسلمان ذہنی اضمحلال و بگاڑ کا شکار ہیں، عالم اسلام روز بروز الحادی و مادی افکار کی آماجگاہ بنتا جارہا ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ممکن ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کے ایمان واخلاص میں کمزوری پائی جاتی ہے۔

یہ مسلمانوں کی بدنصیبی ہے کہ احیا کی طرف قدم بڑھانے کے باوجود اپنے خلاف ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا توڑ نہیں کر سکے، اس لیے آج بے شمار عملی مسائل کا شکار ہیں۔ ان مسلمانوں کو اس خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر مان لینا چاہیے کہ ان کی اصلاح اور خوشحالی صرف اور صرف دینِ اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے میں مضمر ہے۔

مسلم امہ اس وقت جتنی کمزور، خوار وزبوں حال، طاقتور دشمنوں کا ہدف اور ترقی وعروج کے عوامل سے تہی دست ہے، اس میں مسلم نشأۃ ثانیہ کی بات کرنا بلا شبہ ایک دیوانے کا خواب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن سطحی نظر سے چیزوں کو دیکھنے کی بجائے اگر ذرا گہری نظر سے حالات کا مطالعہ کریں اور بعض پس پردہ عوامل کو بھی ذہن میں رکھیں تو مسلمانوں کے سنبھلنے اور غلبے کے امکانات بھی خاصے موجود ہیں۔

اگر نظر صرف حالات کے منفی پہلوؤں پر رہے تو آدمی مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے اور اچھے امکانات، اگر کوئی ہوں بھی تو نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح خواہ مخواہ کی خوش فہمی، خوش خیالی اور جاگتے میں خواب دیکھنا بھی صحیح نہیں ہے لیکن انسانی نفسیات یہ ہیں کہ مایوسی (خواہ اس کے عوامل حقیقی ہی کیوں نہ ہوں) قوائے عمل کو شل کر دیتی ہے اور پرامیدی (خواہ وہ مبنی بر خوش گمانی ہی کیوں نہ ہو) انسان کو متحرک اور باعمل رکھتی ہے، اس لیے ناامیدی کی بجائے پرامیدی اور بہر حال بہتر مفید اور تعمیری رویہ ہے۔ مسلمانوں کی ساری کمزوریوں کے باجود مسلم نشأۃ ثانیہ کے سنجیدہ امکانات بھی موجود ہیں اس لیے ہمارا رویہ مایوسی اور ناامیدی کی بجائے محتاط پرامیدی کا ہے اور ہم بدلائل یہ سمجھتے ہیں۔ یہ مسلم نشأۃ ثانیہ جو آج ایک خواب ہے، اگر ہم مسلمان چاہیں اور اس کے لیے صحیح سمت میں جدوجہد کریں تو یہ خواب کل حقیقت میں بدل سکتا ہے۔ ان شاء اللہ

مصادر و مراجع

مراجع ومصادر

❁ القرآن الحکیم

کتب

❁ ابن خلدون، عبدالرحمٰن: مقدمہ ابن خلدون، مولانا اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۲ء

❁ ابنِ کثیر عماد الدین ابوالفداء: البدایہ والنھایہ، پروفیسر کوکب شادانی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۷ء

❁ ابن سعد ابوعبداللہ: طبقات ابن سعد، علامہ عبداللہ عمادی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۰ء

❁ ابن اثیر، محمد بن عبدالکریم: الکامل فی التاریخ، طباعۃ المنیریہ، مصر ۱۳۵۷ھ،

❁ الماوردی، ابوالحسن: امام احکام السلطانیہ، مترجم پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۰ء

❁ اسرار احمد ڈاکٹر: خطباتِ خلافت، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۹۶ء

❁ ابوزہرہ شیخ: اسلامی مذاہب، غلام احمد حریری، ملک سنز، لاہور، ۲۰۰۴ء

❁ ابن جریر الطبری: جعفر، تاریخ طبری، جامعہ عثمانیہ مطبعۃ الاستقامۃ، قاہرہ، ۱۹۳۹ء

❁ اشعری ابوالحسن علامہ: مقالات الاسلامیین، حنیف ندوی، علم وعرفان پبلشرز، ۲۰۰۱ء

❁ امین احمد، فجر الاسلام: ادارہ طلوعِ اسلام، لاہور، ۱۹۵۹ء

❁ ابن عربی، محی الدین اکبر: فصوص الحکم، محمد برکت اللہ، طلوعِ اسلام ٹرسٹ، لاہور، ۱۹۸۱ء

❁ اعظمی احمد الطاف: وحدت الوجود ایک غیر اسلامی نظریہ، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، س۔ن

❁ ابن عبدالبر، ابوعمر، حافظ: الاستیعاب، دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن، ۱۳۳۶ھ

❁ ابن حجر العسقلانی: فتح الباری، بشرح صحیح بخاری، بیروت، ۱۹۸۸ء

❁ انعام الحسن سحری: دہشت گردی (ایک مکمل مطالعہ) سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء

❁ احمد سلیم: نیا عالمی نظام اور پاکستان، فکشن ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۱ء

❁ اصلاحی صدرالدین: اسلام ایک نظر میں، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۷ء

❁ الحجاج بن مسلم: الجامع الصحیح المسلم، دارالفکر، بیروت، س۔ن

- پول لین، اسٹینلی: داستانِ قاہرہ، مطبوعہ لندن، ۱۹۰۶ء
- تھانوی، اشرف علی: التکشف عن مہمات التصرف، سجاد پبلشرز، لاہور، ۱۹۶۰ء
- تقی عثمانی: عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہوا؟، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۱۳۹۷ھ
- جاراللہ حسن ھدیٰ: تاریخ معتزلہ، رئیس احمد جعفری، ادب منزل پاکستان چوک کراچی، ۱۹۰۱ء)
- جمعہ لطفی محمد: تاریخ فلاسفہ مقدمہ ڈاکٹر میر ولی الدین، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۹ء
- جعفری احمد رئیس: تاریخ تصوف اسلام کتاب منزل، لاہور
- چندر پال: محمد رسول اللہ ﷺ غیروں کی نظر میں، محمد حنیف یزدانی مکتبہ نذیریہ، لاہور،
- چشتی سلیم یوسف: تاریخ تصوف، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور غ ۱۹۷۶ء
- چشتی سلیم یوسف: اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۲۰۰۱ء
- حسن عسکری: جدیدیت، ادارہ فروغِ اسلام، لاہور، ۱۹۹۷ء
- حیات امجد ملک: نیوورلڈ آرڈر (شیطانی آیات کی تحریک ماضی کے آئینے میں)، احد پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۹۶ء
- خورشید احمد، پروفیسر: امریکہ مسلم دنیا کی بے اطمینانی (۱۱ستمبر سے پہلے اور ۱۱ستمبر کے بعد) بک ٹریڈرز، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء
- خورشید احمد، پروفیسر: اسلامی نظریہ حیات، شعبہ تصنیف وتالیف، کراچی، ۱۹۸۶ء
- دھلویؒ، شاہ عبدالعزیز: تحفہ اثنا عشریہ، مولانا سعد، خان یوسفی، نور محمد کارخانہ، کراچی، س، ن
- روبوئز، ج ٹ: تاریخ فلسفہ اسلام، ڈاکٹر سید عابد حسین، جامعہ دھلی، ۱۹۳۶ء
- رحمٰن گوہر رانا: اسلامی ریاست ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور، ۱۹۸۱ء
- رزاقی حسین شاہ: سرسید اور اصلاح معاشرہ ادارہ کلب روڈ لاہور، ۱۹۵۷ء
- سندیلوی اسحٰق، محمد مولانا: اسلام کا سیاسی نظام، اعظم گڑھ، مطبعہ، معارف، ۱۹۵۷ء
- سیوہاروی، حفظ الرحمٰن، مولانا: اسلام کا سیاسی نظام، اعظم گڑھ، مطبعہ معارف، ۱۹۵۷ء
- سعید اختر: سرمایہ افکار، طارق اکیڈمی، لائلپور، فیصل آباد، س۔ن
- سبط حسن: پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء، مکتبہ دانیال، کراچی، ۱۹۷۷ء

- شبلی نعمانی: علم الکلام اور الکلام، نفیس اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۹ء
- شاہ ولی اللہ: ازالۃ الخفاء، عن خلافۃ الخفاء، عبدالشکور، فاروقی، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، ۱۹۷۶ء
- شاہ ولی اللہ: انفاس العارفین سید محمد فاروق القادری، مطبوعہ المعارف، لاہور، س۔ن
- شاہ ولی اللہ: تصوف کے آداب واشغال اوران کا فلسفہ، پروفیسر محمد سرورسندھ ساگرا کادمی، لاہور، ۱۹۸ء
- طاہر القادری، ڈاکٹر: نیوورلڈ آرڈر اوراسلام، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہورغ ۱۹۹۴ء
- عبدالخالق، شیدائی: مسلم فلسفہ، عزیزی پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۴ء
- عبدالوحید خان، علامہ: مسلمانوں کے عروج زوال کی داستان، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، ۱۹۹۶ء
- عزام، عبداللہ، ڈاکٹر: جہاد آداب واحکام، شبیر بشارت پرنٹرز، لاہور ۱۹۹۰ء
- عبدالقاہر، بغدادی: الفرق بین الفرق، مطبعۃ المعارف، مصر، س۔ن
- علامہ اقبال: تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، سیدنذیرنیازی، بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۸۶ء
- علی امیر سید: روحِ اسلام، محمد ہادی حسین، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء
- قادری عروج احمد سید: تصوف اور اہل تصوف، حرا پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء
- قدیر الدین قاضی: تصوف کی اصل حقیقت، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، ۱۹۹۶ء
- گیلانی، خورشید احمد، صاحبزادہ: روح تصوف، خزینہ علم وادب، لاہور، ۲۰۰۱ء
- مودودی، ابوالاعلیٰ سید: خلاف وملوکیت، ادارۂ ترجمان القرآن، لاہور، س۔ن
- مودودی، ابوالاعلیٰ سید: عصرِ حاضر میں امت مسلمہ کے مسائل اوران کا حل، میٹروپرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۸ء
- مودودی، ابوالاعلیٰ سید: مسلمانوں کے ماضی، حال اور مستقبل کے لیے لائحہ عمل، جماع اسلامی، لاہور، ۱۹۵۶ء
- مودودی، ابوالاعلیٰ سید: اسلام کا اخلاقی نقطہ نظر، جماعت اسلامی لاہور، س۔ن
- مودودی، ابوالاعلیٰ سید: تفہیمات، ادارہ مطبوعاتِ اسلامیہ، لاہور، س۔ن
- مودودی، ابوالاعلیٰ سید: مسئلہ جبر وقدر، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء
- مودودی، ابوالاعلیٰ سید: مسئلہ قومیت، اسلامی پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۹ء

- مودودی، ابوالاعلیٰ سید: سیرتِ سرورِ عالمؐ، ادارۂ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۰ء
- مودودی، ابوالاعلیٰ سید: تنقیحات، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء
- محمد کاظم: مسلم فکر وفلسفہ، عہد بہ عہد، مشعل بکس، لاہور، ۲۰۰۲ء
- محمد الحسن، پروفیسر: کشمیر زیر نگیں سلاطین، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ۲۰۰۱ء
- ندوی ابوالحسن: مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۸۱ء
- نعیم صدیقی: عورت معرض کشمکش میں، الفیصل ناشران وتاجران، ۱۹۹۸ء
- نیازی علی لیاقت خان: اسلام کا قانونِ صحافت، معراج دین پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۵ء
- ندوی، معین الدین: شاہ، خلفائے راشدین، کتب خانہ شانِ اسلام، لاہور، ۱۹۳۵ء
- ندوی، معین الدین: شاہ، تاریخِ اسلام، معارف اعظم گڑھ، ضلع گرید، ۱۹۴۹ء
- ندوی حنیف، محمد: عقلیاتِ ابن تیمیہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، س۔ن
- نجیب آبادی، اکبر شاہ: تاریخ اسلام، الفیصل ناشران کتب، لاہور، ۱۹۹۱ء
- ہجویری علی سید: کشف المحجوب، میاں طفیل، محمد، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، س۔ن

لغات

- ابن منظور محمد بن مکرم، جمال الدین ابی الفضل، علامہ: لسان العرب، دار بیروت، ۱۹۰۰ء
- اصفہانی، راغب امام: مفردات فی غریب القرآن، مولانا محمد عبدہ، اہل احادیث اکادمی، لاہور، ۱۹۷۱ء
- الیاس انطون الیاس: القاموس العصری، صندوق البرید، قاہرہ، ۱۹۶۲ء
- بی۔اے، عبدالمجید خواجہ: جامع اللغات، ملک دین اینڈ سنز تاجران کتب، لاہور، ۱۹۶۲ء
- دھلوی احمد سید: فرہنگ آصفیہ، دین فیروز مولوی، فیروز اللغات، مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ، لاہور، ۱۸۹۸ء فراز سنز، س۔ن
- زکریا بن فارس بن احمد الحسنین لابی: مقاییس اللغۃ، داراحیاء التراث العربیہ طبع، بیروت، س۔ن
- زین العابدین، سجاد قاضی: بیان اللسان، مکتبہ علمیۃ میرٹھ، ۱۹۵۰ء
- عبدالحکیم کان نشتر: قائداللغات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، س۔ن

❁ لوئس مالوف: المنجد، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۶۰ء
❁ مہذب لکھنوی: ۷ مہذب اللغات، سطاحی پریس، لکھنو، س۔ن
❁ مصباح اللغات: ہمدرد پریس، دھلی، ۱۹۵۰ء
❁ مجموعہ لغات، مطبع نورالابصار، الہ آباد، ۱۸۷۷ء

English Books

❁ Allama Iqbal, The Reconstruction of Religious thought in Islam, Islamic culture Lahore 2003.
❁ Bravded Fernard on History University Press Chicago 1980
❁ Christopher Dawson, Dynamics of World History.
❁ Crowther G.T. The Scientific outlook, Macmilan Ecolted London 1946.

انسائیکلو پیڈیاز

❁ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۳۷ء
❁ Encyclopedia Americana, Americana Co-orperation New York Chicago
❁ Encyclopedia of Britanica, Chicago London 1979.
❁ Oxford Encyclopedia of the Modern Islamic World.
❁ Webster's New World Dictionary of American.
❁ Language world Book Inc Chicago, London, 1957.
❁ The World Book Encyclopedia, Chicago London. 1988

اردو وانگلش رسائل

- ماہنامہ مجلّہ الدعوۃ، مرکز الدعوۃ والارشاد، لاہور، مارچ ۲۰۰۲ء
- ماہنامہ اشراق، دار الاشراق، لاہور، مارچ ۲۰۰۲ء
- ماہنامہ افکار معلم، لاہور، اکتوبر ۲۰۰۳ء
- ماہنامہ الاخوۃ، ۵۰ لوئر مال لاہور، دسمبر ۲۰۰۰ء
- ماہنامہ تذکیر، دار التذکیر، لاہور، جون ۲۰۰۲ء
- ماہنامہ ترجمان القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ستمبر ۲۰۰۲ء
- ماہنامہ ترجمان القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، مارچ ۱۹۹۶ء
- ہفت روزہ تکبیر، ۲۵ جولائی ۱۹۹۱ء
- سہ روزہ (خصوصی اشاعت) دعوت ٹرسٹ دہلی، ۲۸ نومبر، ۲۰۰۱ء
- سہ روزہ (خصوصی اشاعت) ادارہ منہاج القرآن،
- ماہنامہ شہادت، کرسٹل پرنٹرز اسلام آباد، جولائی ۲۰۰۲ء
- ہفت روزہ، مزدور جدوجہد، شناخت پریس، لاہور، ۱۹ دسمبر، ۲۰۰۱ء
- روزنامہ جنگ، لاہور، ۲۸ نومبر، ۲۰۰۱ء
- روزنامہ جنگ، لاہور، ۱۹ ستمبر، ۱۹۹۱ء
- روزنامہ جنگ، لاہور، ۱۹ ستمبر، ۱۹۹۱ء
- روزنامہ نوائے وقت، ۲۳ ستمبر، ۲۰۰۱ء
- Foreign Affairs S.P Huntington< Summer 1993

Internet

- http=www.gopusa,com/greggbish/w2002/html.
- Khilafah.com. journal, the Inevitable clash of civilizations on 9/1, http.www.Khilafah.com journal.
- Francis Fukuyama The End of History National Internet 1992, The End of Hisotry Francis Fukuyama (1992) htm www.google.com